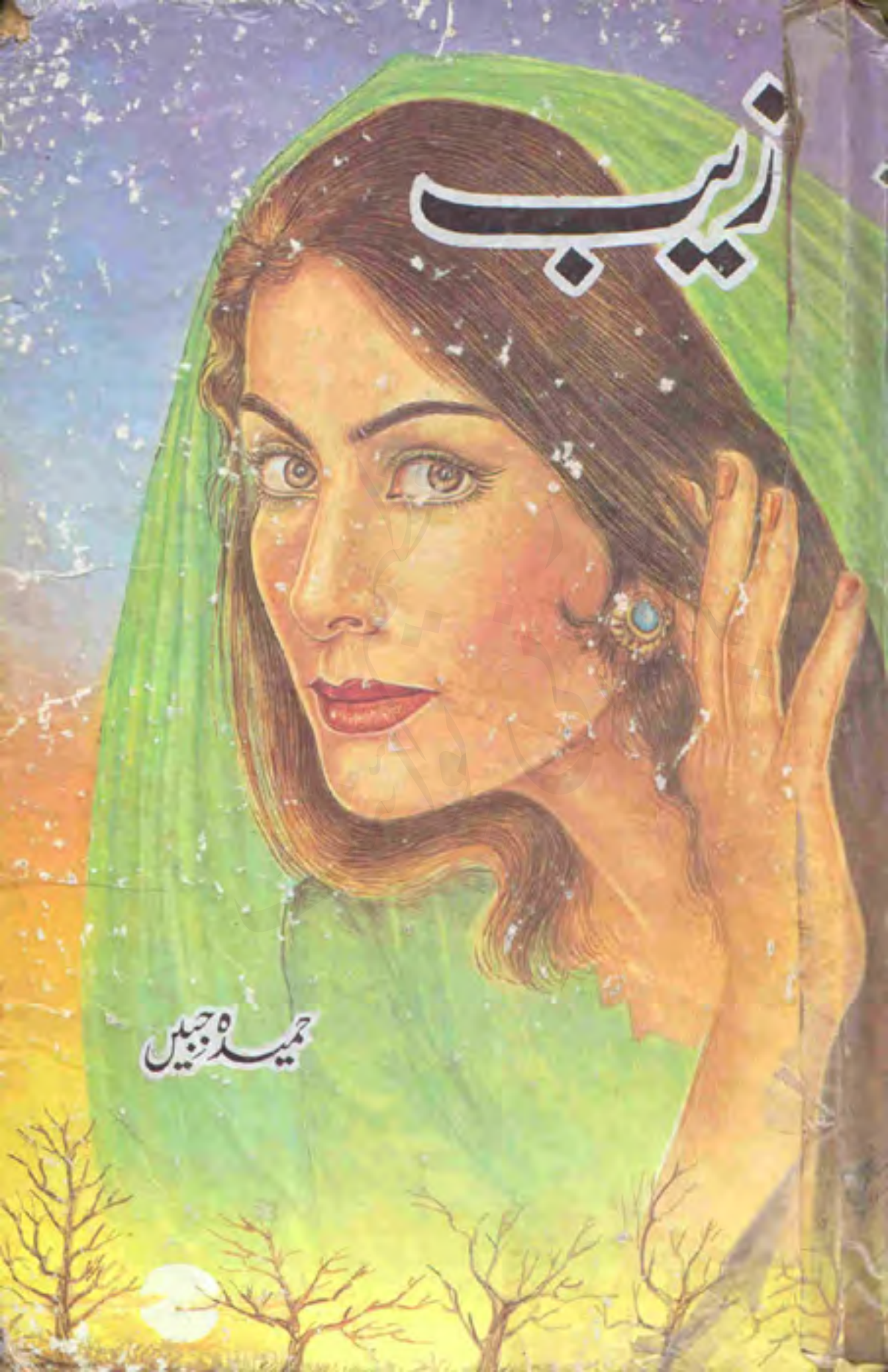


نیر

حمید جبین





زیب سکول سے گھر آئی تو دیکھا نواب صاحب کے ہاں سے صنوبر آئی ہوئی ہے۔ وہ اپنا بیگ کھونٹی پر لٹکاتے ہوئے کہنے لگی۔
کو صنوبر کیسے آتا ہوا؟
صاحبزادی نے یاد فرمایا تھا۔
ابھی؟

جی ہاں، کہہ رہی تھی اپنے ساتھ ہی لیتی آئیو زیب بی بی کو۔
مگر بات کیا ہے؟
وہ دراصل جہاں پر ان کی بات لگ رہی ہے، ان کی تصویر آئی ہے۔
دہی دکھانا ہے آپ کو۔ صنوبر اپنے چنے ہوئے دوپٹے کو دانٹوں میں مردوڑے ہوئے کہنے لگی۔

اچھا۔ زیب ہنس پڑی۔ تو پھر تم ٹھہرو میں نہالوں۔ دیکھا میں کیسی غضب کی گری پڑ رہی ہے۔
اچھا، میں ذرا بڑی بی بی کے پاس بیٹھتی ہوں۔ صنوبر بولی۔
ہاں ہاں ٹھیک ہے۔

صنوبر زیب کی ملازمہ زلفن کے پاس جا بیٹھی اور زیب نہالے کے لیے غسل خانے میں جا گئی۔

بڑی بی بی تم تو کبھی حویلی میں آتی ہی نہیں۔ صنوبر ہنس کر بولی۔
ارے تم لڑکیوں نے تھوڑی ہڑبونگ بچا رکھی چوتی ہے۔ وہ موٹی سنبل تو

ٹوٹ کر رات کو کہیں تارے کی لکیر
آسمانوں کی فضاؤں میں بکھر جاتی ہے
چھیڑ دیتا ہے جب کوئی فسانہ غم
تیری تصویر نگاہوں میں ابھر آتی ہے



دیا خاموش ہے لیکن کسی کا دل تو جلتا ہے
چلے آؤ جہاں تک روشنی مطلوب ہوتی ہے

ہاں ہوا، نواب کی بیٹی جو ہوئی۔ زلفن ٹھٹھا سانس لے کر بولی۔ ایک زیب ہے جو خود کمائی ہے، بھر بھی نہ زیورات کا شوق ہے نہ اچھے کپڑوں کا۔ اتنی نیک بیٹی ہے کہ بس کیا بتاؤں۔

سکول میں ماسٹری تو ہے، کیا تنخواہ ملتی ہو گی۔ منور نے پوچھا۔
یہی کوئی ڈیڑھ سول جاتے ہیں۔ اس کا گزارہ مزے میں ہوتا ہے۔ اسے کیا ضرورت ہے اور نوکری کرنے کی۔

کبھی ماں باپ تو یاد آتے ہوں گے بڑی بی۔ منور نے پوچھا۔
ہاں بیٹی، کیوں نہیں یاد آتے۔ اکثر روتی رہتی ہے۔ یہ بھی اللہ کا شکر ہے کہ پڑھی لکھی تھی کسی کی محتاج نہیں ہوئی۔ عزت سے زندگی گزار رہی ہے۔ اسی لمحے زیب آگئی اور کہنے لگی۔

بڑی بی، کیا پکا ہے آج، بڑی بھوک لگی ہے۔

آپ کھانا دوں چل کر کھالیں۔ منور بولی۔

نہیں منور، اپنے گھر کا پکا ہوا کھانا بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ اس روٹی سوکھی میں بڑا سکون ملتا ہے۔ آؤ تم بھی کھاؤ۔

نہیں، میں تو کب کی کھا چکی۔ آپ کھالیں۔ منور نے کہا۔

بڑی بی نے چڑھی آگے کر دی اور چنگیر میں روٹیاں، بھنا ہوا قیہ اور سلاہ رکھا۔ زیب وہیں بیٹھی بیٹھی کھانے لگی۔

آج سالن بہت مزے کا ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

اگر کبھی تمک زیادہ ہے یا بالکل نہیں ہوتا تو تم تب بھی یہی کہتی ہو کہ مزے کا ہے۔ بڑی بی ہنس کر کہنے لگی۔

وہ مسکرا دی۔ کھانے کے بعد جلدی جلدی ہاتھ صاف کیے اور منور کے ساتھ نواب کی حویلی کی طرف روانہ ہوئی۔

نواب وجاہت علی کی حویلی کے اونچے اونچے سرخ مراب پورے شرمیں مشہور تھے۔ نواب وجاہت علی کا پورا خاندان عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ انگریزوں نے اپنے زمانے میں غدار کی عوض کافی فائدہ پہنچایا تھا۔ نواب

مجھے ذرا بھی اچھی نہیں لگتی۔ دیدے میں پانی ہی نہیں اس چھوڑی کے۔
ہاں بڑی بی، وہ تو مجھے بھی اچھی نہیں لگتی۔ دیکھا نہیں کتنے ٹھن سے رہتی ہے۔ رنگ رنگ کے دوپٹے بدلتی رہتی ہے۔ ہر وقت آنکھوں میں کاجل کے ڈورے لگائے ملکتی رہتی ہے۔

ماں کو نئی کی اولاد ہے۔ زلفن اس کا شجرہ اکھیرے لگی۔ اسے بی، زمانہ گزر گیا۔ نوابوں کے ہاں رتے مگر ہم سے یہ چونچلے نہیں ہو سکے جو آج تک جوان چھوڑیوں میں ہیں۔ اب تمہیں کیا بتاؤں منور، میری عادت نہیں کسی کی برائی کی۔ خیر تم سے کیا پردہ۔ یہ نواب شرافت علی کی ناجائز اولاد ہے۔ اس کی ماں نے تو بڑی بیگم کی چھاتی پر مونگ دے دی۔ وہ بچاری تو نواب صاحب کی صورت ترشیں تھیں اور نواب صاحب سنیں کی ماں کے دیوانے تھے۔

کون نہیں جانتا بڑی بی۔ منور آنکھیں منکھاتی ہوئی بولی۔

دیکھ چھوڑی، کینڑوں کا نام بدنام کر رکھا ہے۔ ان لوگوں سے تو ذرا بچ کر رہنا۔ نواب صاحب اچھا آدمی نہیں ہے۔ جان کو روئے گی پھر۔

وہ بھی تو سنیں گا دیوانہ ہے۔ منور اپنی جلن آخر چھپانہ سکی۔

اے بچ، بڑی بی کے ہاتھ سے شلجم جو وہ کٹ رہی تھی، گر پڑا۔

تمہارے سر کی قسم بڑی بی۔ بارہ دری میں وہ تماشے دیکھا کرتی ہوں کہ اب کیا بتاؤں۔

بڑے نواب صاحب کو پتہ چلا تو وہ کیا ہی کھا جائیں گے۔ وہ ان باتوں کے سخت خلاف ہیں۔ بڑی بی کی آنکھیں سسکی گئیں۔

اور کیا اب اللہ ہی جانے سنبل کا انجام کیا ہو گا۔ وہ تمہاری صاحبزادی کیسی ہیں۔

وہ تو بے حد سیدھی ہیں بے چاری۔ اچھے کپڑے اور زیورات کی شوقین ہیں۔ وہ تو ہر چوتھے روز جوہری کو بلا لیتی ہیں۔ پردے کے پیچھے سے زیورات دیکھتی ہیں اور بڑی بیگم سے خد کر کے اسی وقت لے کر چھوڑتی ہیں۔ منور کہنے لگیں۔

زیب جو نئی حویلی پہنچی، دیکھا نواب صاحب غم ٹم پر سوار ہو کر کہیں جا رہے ہیں۔ اس نے اوپ سے سلام کیا۔

ارے زیب بھئی، کو کیا حال ہے۔ نواب صاحب مسکرائے۔

اللہ کا شکر ہے نواب صاحب۔

زیب ہم نے تم سے کہا تھا کہ نوکری چھوڑ دو اور حویلی میں آجاؤ مگر تم نے کچھ جواب نہیں دیا۔

نواب صاحب، دراصل مجھے محنت کرنے میں بڑا سکون محسوس ہوتا ہے۔ کیا حرج ہے۔

مگر اکیلی لڑکی اکیلی نہیں رہ سکتی۔ اس زمانے میں۔ تم کو حویلی میں آ جانا چاہئے۔ غزالہ بیگم کی خدمت کرتی رہو اور آرام سے روٹی کھاتی رہو۔

ایک لمحے کے لیے زیب کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا مگر وہ اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

آپ کی عنایت پہلے ہی کیا کم ہیں مجھ پر۔ آپ کا بے حد شکر ہے۔

اس وقت ہم مرزا وحدت بیگم کے ہاں جا رہے ہیں۔ پھر تم سے بات کریں گے کبھی۔ کہتے ہوئے وہ غم ٹم پر سوار ہو گئے۔

زیب صوبہ کے ساتھ لیے چوڑے برآمدے طے کرتی ہوئی زمانے سے پہنچ گئی۔ چھوٹی سی بارہ دری عبور کرنے کے بعد وہ غزالہ بیگم کے کمرے کے سامنے پہنچ گئی۔

غزالہ بیگم کرسی پر بیٹھی منہ منہ سے باتوں میں چوڑیاں پہنوا رہی تھیں۔

زیب کو دیکھ کر مسکرائیں۔

آگئیں ماشائی صاحبہ۔

کیوں... زیب پتک پر بیٹھ گئی۔ اس کا مونڈ نواب صاحب کی ایک بات نے

وجاہت علی کے باپ دادا تمام دن عیش و عشرت میں ڈوبے رہتے۔ کسی کی فریاد سننے کی بجائے طوائفوں کا مجرہ ہوا کرتا اور بیٹھے داو دیتے رہتے۔ زمانہ بدلتا گیا۔ انگریزوں کی غلامی کا طوق مسلمانوں کے گلے سے اتر گیا۔ انقلاب آ گیا۔ پاکستان بن گیا۔ نواب وجاہت علی کے دادا وقت پاگئے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد والد بھی انتقال کر گئے لیکن وجاہت علی اپنے خاندان سے بالکل منقطع تھے۔ پانچ وقت کے نمازی، ہر وقت چہرے پر عجیب قسم کی کرتھلی رکھتے تھے۔ تھے تو بہت نیک مگر رعب حد سے زیادہ تھا۔ جس نے ان کی نیکی کو بھی چھپا رکھا تھا۔ نواب وجاہت کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ بیٹا نواب صاحب، بالکل اپنے دادا پر دادا کی طبیعت کے آئینہ دار تھے۔ وہی عیش، طوائفوں کا مجرہ، کیوٹر بازی، شیر بازی، کتیدوں سے پھیر چھاؤ، تعلیم سے نفرت، دوستوں کے دلدادہ، تمام حادثات انہیں درافت میں تو ملی تھیں۔ کہاں کہ اگر نواب وجاہت علی فرق مزاج رکھتے تھے۔ وہ خود تو باپ دادا کے عیو بنے ہوئے تھے۔

لڑکی تھی تو بھی کمال کی۔ غزالہ بیگم نے خاک بھی پڑھا لکھا نہیں تھا۔ بڑی بیگم نے مولوی عبداللہ کو ان کی تعلیم کے لیے مقرر کیا تھا۔ مولوی صاحب

نیکارے مقرر مار کر تھک جاتے مگر صاحبزادی کے لیے خاک نہ پڑتا۔

وہ کہتے مغل بادشاہ اکبر کے زمانے میں انارکلی نامی ایک کثیر کا واقعہ جاتا ہوں تھیں۔ صاحبزادی غزالہ فوراً پردے میں سے پوچھتیں۔

اس زمانے کے زیورات پر کچھ روشنی ڈالئے۔ بازو بند تو ان کے زمانے سے ہی ایجاد ہوا تھا اور چوڑی دار پاجامہ اور کھیرے دار فراق تو بس کمال کے ہوا کرتے تھے۔ ہم نے اباحضور کی ایلم میں دیکھا ہے۔

مولوی صاحب کچھ اور بتاتے گئے تو غزالہ بیگم سمجھیں۔

اب ہم نہیں پڑھیں گے۔ ہمیں نیند آ رہی ہے۔

مولوی صاحب کیا کہتے۔ نورانی ڈاؤن می پر ہاتھ پھیرتے اٹھ جاتے۔ کتو

مدت گزر گئی مگر غزالہ بیگم کو اپنا نام تک نہیں لکھتا آیا۔ بار کر بڑی بیگم۔

پڑھنے پڑھانے کا تماشا ختم کر دیا اور غزالہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیا۔

کچھ خراب کر دیا تھا۔

تم اب ہمارے پاس بہت کم آتی ہو۔ کیا ہم سے محبت نہیں رہی۔

نہیں سا جہازنی یہ بات نہیں، فرصت کچھ کم ملتی ہے۔

اوند، ہم نہیں جانتے۔ تم کو ہمارے پاس روزانہ آنا چاہئے۔ تم شاید نہیں جانتیں کہ ہم تمہیں کتنا چاہتے ہیں۔

نوازش ہے۔

دیکھو زیب، تم ہماری میلی ہو۔ ہم سے مکلف کی باتیں مت کرو۔ غزالہ بیگم ہنس کر اس کے پاس آ بیٹھیں۔

وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

منسل اب تم جاؤ۔ غزالہ نے منسل سے کہا۔

وہ ہنستی ہوئی چلی گئی تو غزالہ نے کہا۔

جانتی ہو ہم نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔

اوں ہوں۔ زیب نے نفی میں سر ہلایا۔

یو جھو تو جانتیں۔ غزالہ ہنسی۔

کوئی زیور دکھانا ہو گا۔ زیب نے کہا۔

اوں ہوں۔

اچھا تو پھر کوئی نیا لباس تیار کروایا ہو گا۔

یہ بھی نہیں۔ وہ ہنسی۔

تو پھر شام گھر کے آموں والے باغ میں جانے کی تیاری ہو گی؟

غلط۔

بارہ دری میں جھولے جھولنے کا پروگرام ہو گا؟

بالکل غلط۔

تو پھر تم خود بتا دو۔ زیب ہنس کر بولی۔

بتائیں، وہ... وہ... وہ

یہ کیا وہ وہ لگا رکھی ہے۔ بتائیے نا۔

ان کی تصویر آئی ہے وہ دوپٹہ دانٹوں میں دبا کر کئے گئی۔

کتنی کی؟ زیب ہنس کر بولی۔

ان کی۔ غزالہ نے مصویت سے کہا۔

کون بھی میں بھلا کیا جانتی ہوں؟

کرن پور کے نواب جہانگیر کے بیٹے عادل کی۔ وہ شرما کر بولی۔

اچھا یہ بات ہے۔ تو بتائیے تا پھر کہاں ہے؟

غزالہ چپکے سے اٹھی۔ دراز میں سے لفافہ نکالا۔ تصویر زیب کو دکھائی۔

جو نبی زیب کی تصویر پر نظر پڑی۔ اس کے چہرے پر دلربا مسکراہٹ پھیل گئی۔

یہ تمہارا دوہا ہے۔ یہ تو بہت خوبصورت ہے۔ زیب نے کہا۔

وہ شرماتی رہی۔

اری یہ تو بہت وجہ ہے۔ کب ہو رہی ہے نہبت۔

بہت جلد۔ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

پھر بھی؟

بس اسی ماہ۔ غزالہ کہنے لگی۔ زیب نے اسے خوب پھینڑا۔ بہت مذاق

کیے۔ تصویر کی بہت تعریف کی۔ شام تک وہیں رہی۔

بڑی دیر ہو گئی تھی۔ وہ گھبرا گئی۔ اسے بہت کام کرنا تھا سکول کا۔

کمرے کی قی بل کر وہیں بیٹھ کر لڑکیوں کے پرچے دیکھنے لگی۔ غلطیاں چیک

کرتے کرتے وہیں پریٹ گئی۔

زلن نے اس کا ہسٹریا پھر معین میں لگا دیا۔ اسے اٹھا کر باہر لے آئی اور کہنے

لگی۔

کھانا نہیں کھاؤ گی؟

نہیں بڑی بی، جی نہیں چاہتا۔

زلن بڑبڑاتی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی اور وہ مسکرا کر لیٹ گئی۔

میں اندر آ سکتی ہوں۔ اس نے ہیڈ مسٹرس کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا۔
آئیے۔

وہ اندر گئی تو حیران رہ گئی۔ دفتر میں کوئی بیٹھا ہوا تھا۔
یہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہیڈ مسٹرس بیک کے شیشوں سے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔
جی فرمائیے۔ اس نے سامنے بیٹھے ہوئے وجہ سے آدمی پر نظر ڈالنے دئے پوچھا۔

میری سسر بھت آپ کے پاس پڑھتی ہے؟
جی ہاں۔

اس کے بارے میں بات کرنی تھی۔
فرمائیے۔

بھت انگریزی میں بہت کمزور ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کچھ وقت اسے دیں۔

میں اسے اپنے خالی عہدے میں پڑھا دیا کروں گی۔
اگر آپ پسند فرمائیں تو گھر پر تشریف لے آیا کریں۔ موٹر آپ کو پہنچا دیا کرے گی۔

اس کے لیے معافی چاہوں گی۔ میرے پاس وقت بالکل نہیں۔
آدھ گھنٹہ سہی۔

مجھے افسوس ہے۔ زیب اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور پھر کہنے لگی۔ میں یہاں پر س کی کمی پوری کر دوں گی۔

آپ کی فیس؟ فوجوان اٹھ کر بولا۔

فیس کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو میرا فرض ہے۔ وہ میری کلاس کی طالبہ ہے۔ اس پر توجہ دینے کی تو مجھے تنخواہ ملتی ہے۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ہیڈ مسٹرس کی طرف دیکھا۔



دو سال پہلے زیب کے والدین بیٹے میں جھلا رہ کر وہی دن میں اسے اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ زیب کچھ دن تک تو بالکل پاگل رہی۔ نواب صاحب نے بڑی کوشش کی کہ زیب حویلی میں چلی آئے کیونکہ زیب کے والد ان کے اچھے خاصے واقف تھے۔ یوں بھی ایک ہی عہدہ تھا۔ زیب کی والدہ اکثر بڑی بیگم سے ملنے چلی آتیں دوسرے زیب عزالہ کی ہم عمر تھی اور سبیلی بھی۔ مگر زیب کی طبیعت میں خودداری کچھ زیادہ ہی تھی۔ وہ اپنے گھر کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ یوں بھی اس کے ابو نے اسے بی اے کروا دیا تھا۔ ایم اے کی پرائیویٹ تیاری کر رہی تھی کہ ماں باپ دو ہی دن میں بیٹھ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے۔ چھ مہینے تک تو اس کی حالت بالکل پاگلوں جیسی تھی۔ یونیورسٹی ہر ایک کو بٹ بٹ دیکھا کرتی۔ زلفن نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ زخم بھرتا کیا تو اسے خیال ہوا کہ زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے۔ تب وہ ایک مقامی سکول میں ٹیچر بن گئی۔ پہلے پہل اسے یہ زندگی عجیب لگی۔ زلفن اس کی ماں بن کر اسے پال رہی تھی۔ نواب صاحب کے ہاں اس کا آنا جانا ضرور تھا مگر مباحث کی نظائیں اسے اچھی نہ لگتیں۔ اس لیے وہ بہت کم وہاں جاتی۔ دل اس کا بے حد اداس رہتا۔ بعض لمبے تو بڑے ہی تکلیف دہ گزرتے۔ وہ اکثر سوچتی کہ اسے کچھ یاد نہ آئے اور زندگی یونیورسٹی گزرتے لگی۔ کبھی کبھی وہ عزالہ کے پاس ضرور چلی جاتی۔ کچھ وقت سکول میں گزر جاتا۔

وہ سکول میں تھی کہ ہیڈ مسٹرس نے اسے بلا لیا۔

نکاح بھی ہونا چاہئے۔

کون کون پور کے نواب کا پیغام آیا ہے کیا؟ زیب نے کہا۔
ہاں، وہی۔ غزالہ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

تو یوں کہو کہ اب پرانی ہو رہی ہو۔ کیوں؟ زیب نہیں۔
غزالہ شرمائی۔ اسی لمحے باہر سے صباحت کی آواز آئی۔
غزالہ وہ ہمارا اہم کہاں ہے؟

وہ اس دراز میں ہے بھائی جان۔ غزالہ نے کہا۔
صباحت اندر آگئے۔ زیب کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے۔
آپ... آپ کب آئیں۔

ابھی آئی ہوں۔ زیب شجیدگی سے کہنے لگی۔
آپ بہت کم آتی ہیں یہاں پر۔ وہ ہنس کر بولا۔
وہ چپ رہی۔

سکول جاتے ہوئے پرسن دیکھا تھا آپ کو۔
جی۔ وہ جھجھکی۔

آپ یہاں پر کیوں نہیں رہتیں؟
قرب ہی تو ہوں۔

بہت دور ہیں۔ قرب کہاں ہیں۔ اس کی آنکھیں گہری سی ہو گئیں۔
زیب نے گھور کر دیکھا۔

آپ نوکری کیوں کرتی ہیں؟ وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔
ضرورت ہے مجھے نوکری کی۔

نوکریاں نوکری کرتی ابھی نہیں لگتیں۔
مجھے تو اچھا لگتا ہے۔

آپ نوکری مت کیا کریں۔ ہم آپ کو اتنی رقم دے دیا کریں گے۔
نواب صاحب... زیب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

بھائی جان، زیب کو کیوں پریشان کر رہے ہیں آپ۔ غزالہ بولی۔

آپ جاسکتی ہیں۔ ہیڈ مسٹرس کہنے لگیں۔

تب وہ سلام کر کے چلی گئی۔ وہ بیٹشوں کو خوب جانتی تھی۔ کلاس میں
پہنچی تو بتل ہو چکی تھی۔ اسے انگلی پڑھائی تھی۔ اس نے دیکھا گھٹ انگلی میں
اور لڑکیوں سے کافی اچھی ہے۔ تب وہ آپ ہی آپ مسکرا دی۔

چھٹی ہوئی تو وہ فیروزہ کے ساتھ بس سٹاپ کی طرف چلی دی۔ مس فیروزہ؟
گھر بھی اس کے گھر کے قریب تھا۔ اور وہ اس کی بے تکلف سہیلی بھی تھی۔
آج گھٹ کا بھائی آیا تھا۔

ہوں، لنگہ کہیں گا۔ یہ ہیڈ مسٹرس جانے کیوں اسے دفتر میں گھسنے دیتی ہیں۔
کیوں کیا ہوا؟ زیب نے پوچھا۔

یونی میں نے دیکھا ہوا ہے۔ بڑا لنگہ سا ہے۔



دونوں باتیں کرتے ہوئے بس سٹاپ پر پہنچیں۔ بس بھی فوراً آگئی۔ جد
وہ گھر پہنچی تو گہری کے مارے اس کا چہرہ تھمرا رہا تھا۔ ابھی وہ غسل خانے -
باہر نکلی ہی تھی کہ دیکھا کہ منور ~~بہر~~ وہ ہے۔

کیا بات ہے منور؟

صاحبزادی نے یاد فرمایا ہے آپ کو۔

اچھا، اس گہری میں چلوں؟

جی ہاں، انہوں نے کہا ہے کہ اسی وقت آپ آئیں۔

اچھا، تب وہ منور کے ساتھ حویلی چلی آئی۔

غزالہ اسی کے انتظار میں تھی۔

آؤ زیب، ہم تمہارا کتلا، یہ سے انتظار کر رہے تھے۔

کیوں خیریت ہے نا۔ زیب مسکرائی۔

ہاں خیریت ہے۔ وہ وہاں سے اچانک کو پیغام آیا ہے کہ مہنگی کے -

اس کی باتوں میں بے حد پچپتا تھا۔ وہ زیب سے کہنے لگی۔
ہمارا دل چاہتا ہے کہ گڑیا کا بیاہ کر ڈالیں۔
زیب ہنس پڑی۔

غزالہ تم بالکل بچوں والی عادتیں رکھتی ہو۔ اب تم بیاہی جانے والی ہو۔ پھر
یہ کیا بات ہوئی کہ گڑیا کی شادی کرو گی یا اپنی؟
وہ شرما گئی۔ کہنے لگی۔ جانے کیوں دل چاہتا ہے۔
تم نے اپنے ہونے والے صاحب کو بھی دیکھا ہے؟ زیب نے پوچھا۔
اوس ہوں؟ ہم کیسے دیکھ سکتے ہیں بھلا۔
کچھ سنا ہے ان کے متعلق۔

سنا بہت کچھ ہے۔ بھائی جان کما کرتے ہیں کہ وہ پڑھتے بہت ہیں۔ نہ ان کو
کنیزوں سے دلچسپی ہے نہ کبوتر بازی سے نہ شیر بازی سے شوق ہے نہ چوہر کھیلنے
ہیں۔ اس کا چہرہ کچھ اتر گیا۔
یہ تو پھر بہت اچھا ہے۔ زیب خوش ہو گئی۔

کمال اچھی عادتیں ہیں۔ خشک عادتیں ہیں ان کی۔ شیر بازی اور کبوتر بازی
تو مردوں کا مظلہ ہے۔
زیب کا چہرہ پیکا سا پڑ گیا۔ وہ سوچنے لگی کتنی بھولی لڑکی ہے یہ۔ اس عجیبہ
انسان سے اس کی کیسے بنے گی۔

تم کیا سوچ رہی ہو زیب؟
کچھ نہیں۔

کتنی عوں تم کو یہ عادتیں نہ جانے کیوں اچھی نہیں لگتیں۔ مجھے تو بڑی پسند
ہیں۔ عجیب ہو تم بھی۔ ایک بات اور بتاؤں زیب۔
بتاؤ۔

وہ ہیں نا، وہ؟ انہوں نے اتنا پڑھ لیا ہے کہ بیان سے باہر۔ خواہ مخواہ مغز
خراب کر لیا پڑھ پڑھ کر۔ نوابوں کے بیٹے کو بھلا تعلیم کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو
ریس ابن ریس ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی نوکری تھوڑا کرنی ہوتی ہے۔ اور ان

ہم نے تو ان کی بھلائی کی بات کی ہے غزالہ بیگم۔
مجھے اس قسم کی باتیں پسند نہیں ہیں نواب صاحب۔ زیب غصہ ضبط کرتے
ہوئے بولی۔

کمال ہو گیا۔ بالکل کمال ہو گیا۔ کہتے اور ہنستے ہوئے وہ باہر نکل گیا۔
تم نے بھائی جان کی بات کا برا منایا ہے۔ غزالہ بولی۔

وہ چپ رہی۔
بھائی جان کی عادت ہی ایسی ہے۔ چھوڑو اب، آؤ کھانا کھائیں۔ ہم نے
تمہارے انتظار میں کھانا بھی نہیں کھایا۔
سنیں... ہمارا کھانا ساتھ والے کمرے میں لگا دو۔ آج ہم بڑے کمرے میں
نہیں کھائیں گے۔

سنیں نے کچھ جان کر اطلاع دی۔ غزالہ محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کے
کھانے پر آ بیٹھی۔ کئی قسم کے سالن تھے۔ پلاؤ، مرغ پلاؤ، کوئنے، بٹنا ہوا
گوشت، سبزیاں، دال فرنی، شامی کلکے، کئی قسم کے کھانے تھے۔
زیب کا دل نہ چاہ رہا تھا۔ اتنے بہت سے کھانے میں بھی وہ مزہ نہ تھا جو
اس روکھی سوکھی میں تھا، جو اس کے گھر میں تھی۔ غزالہ ہر ایک ڈش اسے اٹھا
اٹھا کر پیش کر رہی تھی مگر وہ بے دلی سے نوالے لے رہی تھی۔
تم بالکل نہیں کھا رہی ہو۔

میں اچھی طرح سے کھا رہی ہوں۔ زیب نے ہنس کر کہا۔
کھانے کے بعد وہ بستر پر آ بیٹھیں۔ پچھلا لگا ہوا تھا۔ غزالہ کی طبیعت میں
جاہلیت بہت زیادہ تھی۔ وہ اکثر بے وقوفی کی باتیں کر جاتی۔ زیب اس کی اصلاح
بھی کرتی، اسے سمجھاتی بھی۔ اس نے کرن پور کے نواب کا قصہ چھیڑ دیا۔ کہنے
لگی۔

زیب، کیا بتاؤں۔ ایک مرتبہ ہم بچپن میں کرن پور والے نواب کے ہار
گئے تھے۔ اتنا بڑا محل تھا۔ اتنی کنیزیں تھیں، اتنی بڑی یادہ وری کہ ہم اس میں
کھو گئے۔ وہ ڈھنڈیا بھی کہ توبہ، محل کا کونہ کونہ چھان مارا کیا تب جا کر ہم ملے۔

کی تو اتنی جائیداد ہے کہ توبہ۔ نواب جمائگیر کی اکلوتی اولاد تو ہیں وہ۔ پھر اتنی پڑھائی کی بھلا کیا ضرورت ہے۔

تم سمجھتی ہو کہ نوکری کے لیے ہی علم حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ تمہاری بھول ہے غزالہ، علم تو جہالت کے پردوں کو چیر دیتا ہے۔ میں تو تمہیں یہ ہی مشورہ دیتی ہوں کہ تم بھی اب پڑھنا شروع کر دو۔ نواب عادل پڑھے لکھے ہیں۔ تم کو پڑھا لکھا پاکر بہت خوش ہوں گے۔ کہو تو میں تمہیں پڑھا دیا کروں۔

نہیں بی، مولوی صاحب نے دو دن پڑھایا تو سر میں درد ہونے لگا۔ صورت سے ہادامہ روغن سر میں ڈلوایا تو تب کہیں جا کر آرام آیا۔ جانے تو اتنی موٹی موٹی کتابیں کیسے پڑھ لیتی ہو۔ سر میں درد نہیں ہوتا۔ ہمیں تو چکر آئے گئے ہیں۔

نہیں تو، ہمارے سر میں تو درد بالکل نہیں ہوتا۔ بلکہ پڑھنے میں وہ مزہ ملتا ہے کہ بتا نہیں سکتی۔

رہنے دو بی، ہم سب جانتے ہیں۔

اسی لئے بڑی بیگم آئیں۔

زیب بی، تم تو ہمارے ہالہ آتی ہی نہیں۔ وہ ہماری غراہ سنبھالتے ہوئے کئے گئیں۔

بیگم صاحبہ، غام ہی نہیں ملتا۔ وہ ہنس کر کھڑی ہو گئی۔

بھو بی، غزالہ کو تم سے بہت محبت ہے۔ دو دن تم نہیں آئیں تو یہ پریشان ہو جاتی ہے۔ فوراً کینڈوں کو بھیجتی ہے۔

ان سے مجھے بھی تو بہت محبت ہے۔ وہ درجہ کا کرکٹ کھیلتی ہے۔

ہم تو کہتے ہیں زیب، تم میںیں رہا کرو، کیا ضرورت ہے تمہیں نوکری کرنے کی۔

آپ کی نوازشیں پہلے کیا کم ہیں بیگم صاحبہ۔ وہ آہستہ سے کہنے لگی۔

تمہیں کچھ معلوم ہے غزالہ بیگم کی نسبت نواب جمائگیر کے بیٹے عادل سے

لے پاؤ گی ہے۔

مجھے ابھی معلوم ہوا ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دینے حاضر ہوا ہی جاہلی تھی۔

نواب عادل بہت ہی اچھے ہیں۔ نواب جمائگیر کہہ رہے تھے۔ اس ماہ کی دس تاریخ کو بارات لے آئیں گے۔ نکاح ہو گا۔

اور رخصتی بیگم صاحبہ؟ زیب نے پوچھا۔

وہ ایک سال بعد ہو گی۔ نواب عادل ولایت جا رہے ہیں۔ مزید پڑھنے کے لیے۔

نکاح کے بعد؟

ہاں تم نہیں جانتی بی، لڑکے ولایت جا کر فرنگیوں سے شادی کر لیتے ہیں۔ نواب جمائگیر بہت سیانے ہیں۔ غزالہ کے والد سے کہہ رہے تھے کہ لڑکے کو بیبی سے پہلے نکاح کر دینا چاہئے۔ اچھا کیا ہے نا، تم جانو فرنگیوں سے

میں تو مشہور ہیں نا۔ لڑکوں کو تو پاگل ہی کر دیتی ہیں۔ میرا ایک بھائی وہاں کا وہاں ہی رہ گیا۔ فرنگیوں سے شادی کر لی۔ موٹی گوری جینی تو ہے مگر بد ریا سی لگی ہے۔

ایک مرتبہ آئی تھی۔ کہنے لگی میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ واپس چلی گئی۔ اور میرے بھائی بھی ساتھ ہی۔

زیب مسکرا دی۔

اسی لیے تو عادل کو نکاح کے بعد بھیج رہے ہیں۔ ویسے بھی عادل بہت نیک لگا ہے۔

ایسی ماہ کی دس تاریخ کو ہے نکاح۔ زیب نے پوچھا۔

ہاں بی، تم چار دن پہلے ہی آ جاؤ۔ حویلی کو اپنی نگرانی میں سونائے۔ ان کے

ہاں کی عورتوں کے لیے ہماری جوڑے، اور زیورات تو بخدا لے گئے ہیں۔ عادل

ہاں کے لیے کھانا کی شیروانی بھی مل کر آ گئی ہے۔ زرتار سرہ بھی تو ہمارے

ہاں سے ہی جانے گا۔ سارا انتظام مکمل ہو رہا ہے۔ ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ تم چار دن پہلے ہی آ جاؤ۔ زلفین کو بھی لے آؤ۔ وہ بہت عمدہ عورت ہے۔

جیسا آپ حکم فرمائیں گی۔ میں حاضر ہو جاؤں گی۔

بیگم غزالہ سنبھالتی ہوئی چلی گئیں تو زیب کہنے لگی۔

غزالہ، اب میں گھر جاؤں۔

اوں ہوں، مت جاؤ تم۔

نہیں بھئی، اب جاتی ہوں۔ کل آؤں گی۔ اب تو تمہارے نکاح کو بھی

تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔

غزالہ نے شرما کر چہرے پر ہاتھ رکھ لیے۔ تب وہ اسے تہنیتیاتی ہوئی چلی

آئی۔ زلفن نے اس کے انتظار میں ابھی تک کھانا نہ کھایا تھا۔



حویلی میں چار روز پہلے ہی سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ باغ کے ایک ایک پتے میں رنگین قمقمے لگ رہے تھے۔ تمام حویلی رنگ رنگ کی جھنڈیوں سے سجائی گئی تھی۔ فشی صاحبہ ناک کی دچکی پر میک لگائے اور سے اور بھاگتے پھرتے۔ کینڑوں کا تھکن کے مارے برا حال تھا۔ تمام دن وہ حویلی کی سجاوٹ میں مصروف رہتیں۔ رات کو کافی دیر تک ڈھولک بجاتی رہتی۔ بیگم صاحبہ نے تمام کینڑوں کے لئے نئے کپڑے بنوائے تھے۔ بڑی بوڑھیاں ان کے دوپٹوں پر کھڑکی کرناکتی رہتیں۔ عجیب سی روتی تھی۔ ہر شخص مصروف نظر آتا۔ زیب منہ زلفن کے آئی ہوئی تھی۔ اس نے چار روز کی چھٹی لے لی تھی۔ وہ بیٹھی غزالہ کے ہاتھوں پر مندی لگا رہی تھی کہ درمیں آئی۔

آپ کو بیگم صاحبہ یاد کر رہی ہیں۔ وہ بولی۔

چلو میں آ رہی ہوں۔ زیب زمر سے بولی اور پھر غزالہ کی طرف دیکھتی ہوئی بیگم صاحبہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

فشی جی بڑی بی سے عشق جٹالے میں مصروف تھے۔۔

جان من کیا ہوا اگر عمر زیادہ ہو گئی ہے۔ دل تو ابھی کس ہے۔

اے، دور، ابھی کس ہے دل۔ سٹھیا تو نہیں گئے فشی جی۔

کبھی ہم سے بھی تو ہنس کر بول لیا کرو۔ فشی جی پیلے پیلے دانت نکال کر ہنسنے لگے۔

ے دفع موا بڑھا، کیا میرے لیے ہی رہ گیا ہے۔

جی ہاں، جی ہاں۔ زیب کو ہنسی تو بہت آئی مگر وہ ضبط کر گئی۔

غزالہ بیگم کے مندی لگا دی۔

جی لگا رہی تھی۔

دیکھو بھئی، تم ذرا عقل مند ہو۔ لڑکی کو مانیوں دیا جائے گا، اس وقت بہت پریت کا برا بھیرا رہتا ہے۔ شاہ بلید کا تعویذ تو نے منکوار کر غزالہ کے گلے میں ڈال دیا تھا مگر لڑکی کو اکیلا بالکل نہیں چھوڑنا چاہئے۔ دیکھنا کوئی ادب چن نہ ہو جائے یوں بھی غزالہ بچپن میں ورگی تھی۔ مجھے تو ڈر ہے تم ذرا اس کی پڑ مت چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے خیر عایت رکھے۔

بیگم صاحبہ کا چہرہ اداس ہو گیا۔ آنکھوں میں خوف سا چلنے لگا۔
نہیں بیگم صاحبہ، آپ اطمینان رکھیں۔ کچھ نہیں ہو گا۔

اے بیٹی، آہستہ بولو، کوئی سن نہ لے۔ خدا کرے ایسا وقت نہ آئے۔
وہ سکرا دی اور بولی۔

اجھا تو بیگم صاحبہ میں جاؤں پھر؟

ہاں جاؤ۔ وہی بات یاد رکھنا اور ہاں تم نے پہلے کہڑے کیوں نہیں پئے۔
جی میں، میں کیوں پتوں بھلا۔

تم دلہن کی سہیلی جو ہو۔ سہیلی بھی تو پہلے کہڑے پہنتی ہے۔
پن لوں گی۔ وہ ہنسی۔

ہاں ضرور پن لو۔ شادی کے لیے تمہارے پاس اچھے جوڑے ہیں نا۔
جی ہاں، ہیں۔ وہ گھبرا سی گئی۔

بس تو ٹھیک ہے۔ جا کر غزالہ کے مندی لگا دو۔

وہ غزالہ کے پاس آئی۔ اٹھن اور مندی کی ملی جلی خوشبو ناک میں ٹھس گئی۔ وہ اس کے قریب بیٹھ گئی جو ہاتھ اور پاؤں پھیلائے لیٹی تھی۔ زرد کپڑوں میں وہ کس قدر زرد لگ رہی تھی۔

یا کما امی حضور نے؟ اس نے پوچھا۔

تمہارے دو لہا کے کہڑے دکھانے کے لیے بلایا تھا۔

تو تم ابھی بسچے اپنے کو جوان سمجھتی ہو؟

کیا ہو رہا ہے فشی جی؟ زیب نے پوچھا۔

جی کچھ نہیں۔ وہ دراصل میں بڑی بی سے کہہ رہا تھا کہ بیگم صاحبہ کہہ رہی ہیں نیا مراد آبادی پاندان بھی لکھا لو۔
فشی جی گھبرا گئے۔

اور ابھی جان من کے کہہ رہے تھے۔ بڑی بی لگیں۔

زیب ہنس کر بولی۔ میں جانتی ہوں فشی جی۔

وہ کھی کھی کر کے رہ گئے اور زیب بیگم صاحبہ کے کمرے کی طرف چل دی۔

آپ نے مجھے بلایا تھا؟

ہاں بیٹی، یہ دیکھ عادل میاں کا جوڑا آگیا ہے۔ خواب کی شیردانی، سفید قیمتی کہڑے کا چوڑی دار پاجامہ، سلیم شامی جوتی، جو ٹھکل کی بنی ہوئی تھی اور سفید سلفہ غڑھا ہوا تھا۔ قیمتی موتیوں کی تین بڑی مالا میں، زرد تار سرہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں۔ قیمتی جواہرات موجود تھے۔

زیب ہر چیز کی تعریف کر رہی تھی۔

کوئی کسر تو نہیں رہ گئی زیب۔

نہیں بیگم صاحبہ، سب چیزیں شاندار ہیں۔

تم جانو بیٹی، کرن پور کا خواب ہے۔ ان کے ہاں تو بڑھیا سے بڑھیا چیزیں ہیں۔ میں تو اس بات پر حیران ہوں کہ غزالہ کا رشتہ اتنی بڑی جگہ پر ہو کیسے گیا؟
اس کی قیمت ابھی ہے بیگم صاحبہ۔

ہاں نصیب بڑے اچھے ہیں اس کے۔ راج کرے گی ساری عمر۔ عادل کے لیے تو بڑے بڑے رئیس آس لگائے بیٹھے تھے مگر خواب جمانگیر ہیں اصول کے۔ کہنے لگے ذات ایک ہونی چاہئے۔ ہمارا ان کا فہرہ ایک ہے۔ خواب صاحب کے دادا اور خواب جمانگیر کے پردادا آپس میں چچا زاد بھائی تھے۔ برا قریبی رشتہ ہے نا۔

وہ شرمیلی۔ پھر کہنے لگی۔

کیسے تھے؟

بہت اچھے، پس کر ہوا میں اڑنے لگے گا۔

چل بہت۔ وہ ہنس پڑی۔

یہ تو جتنا غزالہ تجھے اس سے کچھ محبت تو ہو گئی ہے نا۔

مجھے اس سے کیا، جس سے بھی شادی ہوتی، اسی سے محبت ہو جاتی۔ ایسا

کیا بات ہے؟

محبت بھی کہیں شادی سے پہلے ہوا کرتی ہے۔ تم نہیں جانتیں زیب، نواب

اچھن کی لڑکی کو اپنے ہونے والے بہنوئی سے محبت ہو گئی۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ کیا

قیامت آئی کہ بیان نہیں کر سکتی۔ لڑکی تو اپنے بہنوئی کے ساتھ چلی گئی مگر نواب

اچھن کے خاندان کے جو کلنگ کاٹیکہ لگ گیا اسے بھلا کوئی مٹا سکتا ہے۔

زہب اس کی باتیں سن رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ کیا ہو گا۔

غزالہ کی رشتے کی ہمیں آگئیں۔ ہنسی مذاق ہونے لگا۔ مگر زیب خاموش

خاموش سی تھی۔ ایک سے ایک سب نے لباس پہن رکھا تھا۔ سب نے پروگرام

بنایا کہ باغ میں چل کر جھولا جھولا جائے۔ غزالہ کہنے لگی۔

ہائے اللہ، مگر ہم کیسے جائیں گے، اماں حضور کو معلوم ہو گیا تو خفا ہوں گی۔

وہ ڈر کر بولی۔

اے لی، تم مائیوں جو بیٹھی ہو، باغ میں بھلا کیسے جا سکتی ہو۔ وہاں تو باہر کی

چیزیں زیادہ ہوتی ہیں اور زرد کپڑے پہن کر درخت کے نیچے۔ تو بہ تو بہ، غزالہ

کی چچا زاد بہن رخسانہ بولی۔

کچھ بھی تو نہیں ہوتا۔ زیب نے کہا۔

اے واہ لڑکیوں نہیں ہوتا، نواب اچھن کی لڑکی کو تب سے ہی تو آسیب ہو

گیا ہے۔ درخت کے نیچے زردہ کھا لیا تھا، بس وہیں نیلی پہلی ہو گئی۔ کیسی زندگی

برباد ہو گئی اس کی جب سے۔ بیٹاری ہر جہرات کو بلیڈ شاہ کے مزار پر چارٹ

جلائے جاتی ہے اور اگر کسی دن چرائٹ نہ جلائے تو غصہ آ جاتا ہے۔ وہ حال نا

ہے کہ بیان سے باہر۔ ایک دوسری لڑکی نے کہا۔

تو پروگرام کینسل کر دو۔ زیب نے کہا۔

اچھا پھر ڈھولک لے آؤ، گیت گاتے ہیں۔

اے واہ، ہم کیوں گائیں، ڈونٹیاں تو آئی ہیں، انہی کو بلاؤ نا۔ ایک اور لڑکی

نے کہا۔

ہاں ہاں، ڈونٹیاں بلاؤ۔ اس کی لڑکی دیکھی تم نے جھنن مرزا کی شادی پر

ذرا سی تھی، اب کیسی جوان ہو گئی۔

اے ان مرداروں کو جوان ہوتے کیا دیر لگتی ہے۔ ایک دوسری لڑکی ہنس

کر بولی۔

دیکھا نہیں، کیسے مٹکتی ہے اور جب ناچ کرتی ہے تو ویسے کیسے مٹکتی ہے۔

اوئی اللہ، تم نے بیس باتیں کرنا شروع کر دیں۔ بلاؤ نا اے۔

جاؤ جی صنوبر، ڈونٹیاں کو بلاؤ، دیکھ اس کی اماں کو مت بلانا۔ لڑکیوں کو

لے آنا۔

اچھا۔ صنوبر مٹکتی ہوئی چلی گئی۔

تھوڑی دیر میں وہ اپنے ساتھ تین جوان لڑکیوں کو لے آئی جن کے پاس

ڈھولک بھی تھی۔

تینوں لڑکیاں سامانی اور اچھے نقوش کی قمیص۔ پان سے دانت سرخ ہو

رہے تھے اور وہ ہونٹوں پر دنداسہ بھی زیادہ ہی مل رکھا تھا۔ ایک کا نام شہو تھا،

کہنے لگی۔

اے صاحبزادی، یہاں کی کنیزیں تک چڑھی ہیں۔ ذرا سا کاہل مانگا تھا، دیا

ہی نہیں۔

سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔ ایک بولی۔

کیا کرو گی کاہل لگا کر شہو، تمہاری آنکھیں تو دیسے ہی کنار ہیں۔

مددے جاؤں آپ کی کیا کم ہیں، چھر دیکھیں گی ماشاء اللہ جھاو ہی پھرے

کی۔

سب لڑکیاں زور سے ہنس پڑیں۔ زیب بھی ہنس دی۔

اجما شیو، اب تم باتیں مت بناؤ اور کچھ گا کر سنا۔

صاحبزادی گلا تو بالکل بندھ گیا ہے۔ پانچ راتوں سے تو گاری ہوں۔

اب نخرے مت دکھاؤ۔ ایک اور بولی۔

ہنسنے کا نہیں۔ آواز تو پیٹے ہوئے ڈھول کی مانند ہو رہی ہے۔ کیا سنیں گی؟

کوئی نعت سنا دوں۔

اے لی، اب تم ہمارا جی نہ جلاؤ۔ یہاں کیا میلاد ہو رہا ہے۔ کوئی سہاگ کا

گیت گاؤ۔ آج کل تو قلمی گانے اچھے اچھے چلے ہیں۔ وہی گاؤ۔ رخسانہ ہاتھ چڑھا

کر بولی۔

اے صاحبزادی نے بھی حد کر دی۔ میں کیا قلم دیکھتی ہوں۔ شیو ہنس کر

بولی۔

اے تو کیا نہیں دیکھتی، مجھ سے باتیں مت بناؤ، تم اور قلم نہ دیکھو۔

ہائے ہائے صاحبزادی، قسم لے لو جو کبھی بائیسکوپ کا منہ بھی دیکھا ہے۔

اماں جان نکال نہ دیں گی۔ مسی سر نہ لگائے سے تو چڑھاتی ہیں۔ قلم کا ہے کو

دیکھنے دے گی۔

باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔ اب گاؤ گی بھی یا نہیں۔ رخسانہ ہنسی۔

چل رہی بجا ڈھولک۔ شیو نے اپنی بہن کو ٹھوکا دیا۔

ڈھولک بیٹھے لگی اور شیو اپنی سی کرتی آواز میں گانے لگی۔ گاتی کم تھی اور

آنکھیں زیادہ مٹکا رہی تھی۔ لڑکیاں ہنس رہی تھیں۔ زیب بھی اس ماحول میں

دلچسپی محسوس کر رہی تھی۔

کچھ دیر محفل جی رہی۔ رات گئے تک تیاریاں ہوتی رہیں۔ جہاں کسی کو

جگہ ملی وہیں سو گیا۔

برات آنے میں کچھ دیر ہی باقی تھی۔ تمام حویلی دلہن کی مانند جھجھک رہی تھی۔

مہمان آتے ہوئے تھے۔ کنیزیں اور نوکر پان لالچی اور قسم قسم کے

شروبات لیے مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف تھے۔ بڑی بیگم بھاری غرارہ

نبھالے بیگمات میں ادھر سے ادھر پھر رہی تھیں۔ باہر مردانے میں نواب صاحب

مہمانوں سے خوش گہیوں میں مصروف تھے۔ نواب صباحت کے تمام دوست

شامیانے کے نیچے تھے۔ سب من چلے تھے۔ خوب ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ شیو اور

نرگس بار بار اسی طرف پکر لگا رہی تھیں اور لڑکوں سے ایک آدھ فخر سن کر

ہنسی ہوئی چلی جاتیں۔

تمام محلہ سجا ہوا تھا۔ پوری گلی میں جھنڈیاں اور پھولوں کے دروازے

بنائے ہوئے تھے۔ جا بجا خوش آمدید کے سرخ پکڑے لہرا رہے تھے۔ اندر لڑکیوں

میں زیادہ چل پھل تھی۔ صبح سے ہی لڑکیوں نے ہنگام شروع کر دیا تھا۔ تمام

لڑکیوں نے ایک دوسرے سے سبت لے جانے کی ٹھان لی تھی اور ایک سے

ایک بڑھ کر لباس زیب تن کیا تھا۔

زیب آسانی رنگ کے لنگائیٹ میں لمبوس تھی اور ان سادہ کپڑوں میں ہی

اس کے پاکیزہ چہرے پر بڑی خوبصورتی آگئی تھی۔ چٹا ہوا دوپٹہ جسے سفید کرن

کی ہوئی تھی، بست پیارا لگ رہا تھا۔ غزالہ کے لیے بال کھول دیے گئے تھے اور

بالوں میں ڈھکا ہوا چہرہ لہو لہو سر جھکائے بیٹھی تھی۔

ڈونمیاں اپنے سے بڑے گلے چھاڑ چھاڑ کر گاری تھیں۔ بیگمات میں خوب

چمکیں ہو رہی تھیں۔

مردوں میں مجرے کا انتظام تھا۔ شہر کی اعلیٰ طوائفیں بلوائی گئی تھیں۔ وہ

الگ کمرے میں تھیں۔ برات کے آنے پر انہیں مجرا کرنا تھا۔ نواب صباحت اپنے

ٹاپ دوستوں کے ساتھ انہیں کے پاس بیٹھے تھے۔

اسی لمحے نواب جگمگر کے ہاں سے آدمی آیا کہ برات پہنچائی جا چکی ہے۔

تھوڑی دیر میں فضا آتشازی گولے اور ہاتھوں کی آواز سے اور بھی رنگیں ہو

گئی۔ نواب صاحب اپنے عزیزوں کے ہمراہ صدر گیٹ پر استقبال کے لیے آ

گئے۔ صباحت اپنے دوست کے ساتھ باہر نکل آئے۔ چلن پر لڑکیوں کا زور تھا۔

ساری لڑکیاں کونٹے پر چڑھ گئیں۔ کوئی عربوں کی اوٹ سے جھانک رہی تھی۔

لوٹی چلن میں کھڑی اپنے رخ زبیا کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ زیب

کے ساتھ آئی ہوئی تمام عورتیں اندر قالینوں والے کمرے میں بیٹھائیں گئیں۔ کئی کئیں رواج کے مطابق سیناں تھامے اندر آئیں۔ لڑکیاں غزالہ کے پاس آئیں۔ تو عجیب عجیب باتیں ہونے لگیں۔ دولہا بہت خوبصورت ہے۔ بہت خوبصورت ہے۔ ایک لڑکی آہستہ سے بولی۔

غزالہ تو اس کی جوتی کے برابر بھی نہیں ہے۔ اے ہاں، چپٹا سوتا نک ہے۔ آنکھیں بھی کوئی خاص بڑی نہیں۔ عادل میاں کے لیے تو بہت خوبصورت بڑی ہوئی چاہئے تھی۔ ہاں بی بی یہ تو اس کے لائق نہیں۔

ان سرگوشیوں کو زیب نے بھی سنا۔

دولہن کے لیے دولہا والوں کی طرف سے زیور اور کپڑا بہت زیادہ آیا تھا۔ ایک بیگم نکاح کا جوڑا اور زیور لے آئیں۔ لڑکیوں نے غزالہ کو دولہن بنایا۔ مانگ اٹھان سے بھر دی گئی۔ قیمتی زیورات کے علاوہ پھولوں کا زیور بھی پناہ کیا۔ زرتار سرہ لگایا گیا۔ غزالہ کا سانولا چہرہ چمک اٹھا۔

نکاح ہونے لگا۔ لڑکیوں نے چادر تان لی۔ کچھ معزز لوگ نواب وجاہت لے ساتھ اندر آئے۔ دولہن کی مرضی پوچھی گئی۔ ہاں ہونے پر چاروں طرف سے مبارک سلامت کا شور مچیل گیا۔ چہوہاروں کی بارش ہونے لگی۔ ڈونبیاں سماک کے گیت گانے لگیں۔

کچھ دیر بعد کھانا چن دیا گیا۔ تمام مہمان بڑے ہال میں اٹھ کر جانے لگے۔ بی بی قسم کے کھانے تھے۔ خدمت گار بھاگتے پھر رہے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ ساری حویلی رنگین قہقروں سے دلن بنی ہوئی تھی۔ باہر شامیائے میں طبلی بچ گئی۔ کسور ہائی اور مشتری ہائی بیروں میں گھنگھڑ باندھے رقص کے لیے تیار تھیں۔ زمر نے ستار سنبھال لی اور گوہر جان مندی لگے ہاتھوں کو لہرا کر اپنی ہوش کس آواز میں گانے لگی۔ باجے اور ہارمونیم کی آواز کو رنگین بنانے لگی۔ لڑکیاں ہلنوں سے دیکھ رہی تھیں۔

کسور اور مشتری چوڑی دار ہاجامہ اور گول گھیرے کی فراق جس پر سدا اس قدر جڑا ہوا تھا کہ آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں، پتے تھیں اور بجلی کی طرح

آگئی۔ وہ محراب کی اوٹ سے نیچے دیکھ رہی تھی۔ مباحث کے جوان دوستوں کی نظر اوپر ہی تھی۔ ہلنوں سے ہر ایک پر نقطہ چینی ہو رہی تھی۔

اے یہ ہے! اچھن مرزا کا لودھا ہے۔ لپا کسین کا۔ نظر تو ہفتی ہی نہیں۔ اے موا شکل نہیں دیکھتا اپنی، آٹے سے ٹکلی ہوئی چڑھیا۔

وہ سیاہ شیروانی والا کون ہے؟ ایک نے پوچھا۔

مباحث کا دوست ہے۔

اچھا خاصا ہے۔

تم تو گھنیں ہوا، کیا خیال ہے۔ دوسری بولی۔

اے ہٹ، ہم نے تو یونہی کہہ دیا۔

کچھ چپٹ میں درد تو ضرور ہوا ہے تم کو۔ پہلی بولی۔

تمہارے چپٹ میں ہو درد، تمہارے میں کیوں ہوئے۔

باجے اور چپڑ والے قریب آگئے۔ بچ میں پھولوں سے لدی ہوئی کاریں تھیں۔

دولہا گھوڑے پر آتا اچھا لگتا ہے۔ ایک نے کہا۔

ہوں تم تو وی سو سال پرانی باتیں کرو گی۔ کرن پور سے گھوڑے پر آئے گا اس گری میں؟

اب تو نوابوں کی تمام رسیں ختم ہو گئیں۔ موٹی انگریزوں کی رسیں آتی جا رہی ہیں یہاں بھی۔

اے بن، زمانہ بھی تو بدل رہا ہے۔

بھڑ میں جائے یہ زمانہ۔

دولہا کی موٹر قریب آگئی۔ نواب وجاہت نے بوہ کر نواب جھانگیر کو گلے لگایا۔ عادل میاں کو اتارا۔ خوبصورت سفید شیروانی، سفید چوڑی دار ہاجامہ، زرتار سرہ۔

چہرہ ڈھکا ہوا تھا مگر قد و قامت اور جسم نہایت موزوں اور خوبصورت تھا۔ دولہا کو منہ پر لے جا کر بٹھایا گیا۔ اعلیٰ قسم کے مشروب پیش کیے گئے۔ برات

چمک رہی تھیں لیکن سارا کمال گوہر جان میں تھا۔ اس کی اس قدر پیاری اور عمدہ آواز تھی کہ مدہوش کیے دیتی تھی۔ نوابوں میں مقابلہ ہو رہا تھا۔ ہر ایک بڑھ چڑھ کر روپے بچاؤ کر رہا تھا۔ کوئی نوٹ کسی کے سر پر تو کوئی نوٹ کسی کے سر پر۔ رات گئے تک محفل ہوتی رہی۔

صبح لوگ واپس جانے والے تھے اور آج سے تقریباً "چھ روز بعد عادل روانہ ہو رہے تھے۔

زیب غزالہ کے پاس بیٹھی تھی۔ نیند سے آنکھیں بو جھل ہو رہی تھیں۔ وہیں پڑ کر سو رہی۔

لڑکیاں رات کافی دیر تک جاگتی رہیں۔ پھر کینڈوں نے باہر بستر لگا دیے اور ایک ایک بستر میں دو دو تین تین لڑکیاں پڑ گئیں۔

صبح کو تمام لوگ واپس لوٹ گئے۔ زیب کی چھٹی بھی پوری ہو چکی تھی۔ وہ بھی صبح اپنے گھر چلی گئی۔ تاکہ کپڑے وغیرہ ٹھیک ٹھاک کرے اور سکول کی تیاری کرے۔

○



بڑی لمبی چھٹی لی تم نے؟

مس فیروزہ اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔ اس وقت وہ بس کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ چھٹی ہو چکی تھی۔

غزالہ کا کٹاح تھا۔ اس میں مصروف رہی۔ زیب نے جواب دیا۔

یہ بیگانی شادی میں ایڈوں والا معاملہ کیوں ہے؟

تم نہیں جانتی فوزی۔ دراصل مجھ پر نواب صاحب کے بڑے احسان ہیں۔ جس زمانے میں میرے والدین مجھے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے، میں تو پاگل ہو رہی تھی۔ یہ بیگم صاحبہ اور نواب صاحبہ کی مرہانی سمجھو جو آج میں عزت کی زندگی گزار رہی ہوں۔ ورنہ کہاں ہوتی۔ یہ تو میری اپنی ضد ہے کہ میں علیحدہ رہتی ہوں ورنہ وہ لوگ مجھے کہاں رہنے دیتے ہیں۔ زیب کی آنکھیں بھر آئیں۔

پھر تم وہیں کیوں نہیں رہتیں؟

بس باقی تو سب اچھے ہیں مگر وہ صاغت مجھے ذرا اچھا نہیں لگتا۔ بڑی خراب عادتیں ہیں اس کی۔

وہ تو مشہور لفٹنگا ہے۔ مگر بے سخت بے وقوف۔ فیروزہ کہنے لگی۔ مجھ سے کچھ ڈر نا بھی ہے۔ میں خوب جانتی ہوں اسے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ غزالہ کا دودھا کیسا ہے؟

نواب جاکیر کا بیٹا ہے نا، اس کی خوبصورتی اور اچھائی کا تو دنیا میں چرچا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا، چرے پر سرا تھا۔ ویسے اچھا ہی لگتا ہے۔ تصویر دیکھی تھی میں نے۔

غزالہ تو پڑھی لکھی نہیں ہے اور دولہا ایم اے کر چکا ہے۔ پھر کیا جوڑ؟
فیروزہ بولی۔

یہ بات مجھے بھی محسوس ہوئی۔ وہ بے حد سیدھی لڑکی ہے۔ نہ جانے یہ •
گاڑی کیسے چلے گی۔

بس آگئی تھی۔ دونوں جلدی سے چڑھ گئیں۔
راستے بھر یہی تذکرہ رہا۔ زیب جب گھر آئی تو زلفن کو سخت بخار آگیا تھا
اور وہ لکٹی ہوئی تھی۔

کیا ہوا ہوا؟ وہ گھبرا گئی۔
بخار آگیا ہے۔ آؤ تم منہ ہاتھ دھو لو۔ میں کھانا نکالوں۔ وہ اٹھتے ہوئے
بولی۔

ارے تم نے کھانا کیوں تیار کیا۔ آرام کیا ہوتا۔
تھی باری آتی ہو، کھانا بھی تیار نہ ملے تھیں۔
تم آرام کرو، میں خود نکال کر کھا لیتی ہوں۔ وہ تویہ لے کے غسل خانے
چلی گئی۔ منہ ہاتھ دھو کر خود ہی کھانا نکالا۔ چوکی پر بیٹھ کر کھاتے ہوئے اس کا
خیال اپنی ماں کی طرف چلا گیا۔
کتنے پیار سے کھایا کرتی تھی، آہ ماں۔

نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ کچھ دیر یونہی کوئی کوئی سی بیٹھی
رہی۔ پھر وہ چار نوالے کھا کر کمرے سے باہر آگئی۔ وہ سوچنے لگی، یہ زندگی
کس طرح کڑے گی آخر۔ میں اس جہاں میں آگئی رہ سکتی ہوں بھلا... مگر، مگر
میں کیا کروں۔ زندگی کی لاش کو کب تک تھپیوں۔ اکیلی تنہا... میری ماں میرا
جیہز تیار کر رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ زیب کی شادی پر خوب خرچ کرے اور
کئی رشتے آیا کرتے تھے۔ اس وقت ہر ایک میں اباجان کیڑے نکالتے اور اماں
جان منہ سکڑ کر کہیں۔

میری زیب کے لائق نہیں ہے۔
مگر، مگر... کچھ بھی نہ ہوا۔ ماں باپ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے۔ آج اس کا

دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ کوئی بھی تو دلکشی نہ تھی اس کی زندگی میں۔ خالی خول
بے رنگ سی زندگی۔ صبح ہوئی، شام ہو گئی اور گوشت کا پینا ہوا مشینی جسم اپنے
مخصوص کام کر کے تھکا ماندہ پڑ گیا۔ اسی پتھر کو روز وہ پورا کرتی اور بس... یہ
بھی کوئی زندگی ہے۔ بالیک اس کے دل میں خیال آیا۔

کیوں ناشادی کر لوں؟
مگر، کس سے؟

ایسا نہ ہو کہ یہ زندگی بھی جائے۔
شادی تو ایک جوا ہے۔ اُن میں ہار مٹی تو؟
میری زندگی میں تو پسینے ہی کچھ نہیں۔ کہیں پھولوں کی گھن میں کانٹوں سے
زخمی ہو جاؤں۔ جہنم کی جتنو رتے کرت زہر کو ہونٹوں سے لگا لوں۔
'نہیں' نہیں۔ میں یہ جوا نہیں کھیلوں گی۔ ٹھیک ہے اسی طرح گزر جائے
گی۔

باہر زلفن کے کوسکے سینے کی کھانسی فغا میں پھیل گئی۔ وہ اٹھی۔ اس کے
پاس بیٹھ کر اس کا سر دبانے لگی۔

چلو ہوا، جس میں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔
نہیں بیٹی، ڈاکٹر کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ اچھی ہو جاؤں گی۔ بڑا چپے کے
کئی روگ ہیں۔ بڑا بخار خود بھی تو ایک بیماری ہے۔

ہاں ہوا، مگر چلو جس دوا تو لے دوں۔
ابھی بڑی دوسر ہے۔ میں نے کچھ کھالی ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔ تم
خواہ خواہ ٹکڑے ٹکڑے لگتی ہو۔ پھر کتنے لگی۔ وہ نواب مباحثہ آیا تھا۔
کیوں؟ زیب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

یونہی، کتنے لگا کسی چیز کی ضرورت ہو تو...
• دیکھو ہوا، اسے ہرگز اندر مت آنے دیا کرو، وہ مجھے ذرا بھی تو اچھا نہیں
لگتا۔

ہاں بیٹی، وہ مجھے خود اچھا نہیں لگتا۔ آئندہ منع کر دوں گی۔ تم جانو ان

لوگوں سے دشمنی بھی اچھی نہیں۔ یہ بے وقوف ہوتے ہیں۔
میں بڑے نواب صاحب سے شکایت کروں گی۔ زیب غصے سے لرزے
ہوئے بولی۔

دفع کرو ہمیں کیا۔ تم منہ نہ لگاؤ۔ لفتنگا کہیں کا۔
میں اسے راستہ سیدھا دکھاؤں گی۔ وہ سمجھتا کیا ہے۔ اکیلی لڑکی دیکھ کر تنگ
کرتا ہے۔

بچی، عظمیٰ بہت اچھی نعت ہے۔ تم حوصلے اور صبر سے کام لو۔ میں خود
بیگم صاحبہ سے بات کروں گی جا کر۔
زیب خاموش ہو گئی مگر اس کی سوچ گہری ہو گئی۔ کیونکہ آج کئی دن سے
وہ پان والی دکان پر دو غنڈوں کو بھی دیکھتی چلی آ رہی تھی۔
کسین مباحثہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے۔ وہ گھبرا گئی۔
پھر خود ہی بولی۔

میں خود نواب صاحب سے کہوں گی۔

ہاں ہاں خود کو، کیوں نہیں۔

سہ پر کو وہ نمائی اور چائے پی رہی تھی کہ فیروزہ آگئی۔ کہنے لگی۔

سب ٹیچرز کچھ پر جاری ہیں۔ میں نے سوچا تمہیں بھی ساتھ لے چلوں۔

ہاں چلو، آج میرا دل بھی پریشان ہے۔ مگر چائے تو پی لو۔

میں پی کر آ رہی ہوں۔ اب چلنے کی کرو۔ وقت کم رہ گیا ہے۔ وہ لوگ

انتظار کرتی ہوں گی۔

وہ جلدی سے تیار ہو گئی۔ اور زلفن سے کہہ کر فیروزہ کے ساتھ باہر نکل

آئی۔ دیکھا تو کھڑکی والی دکان پر مباحثہ چھڑی ہاتھ میں تیلے کڑا ہے۔ مسکرا کر رہ

گیا اور وہ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے فیروزہ کے ساتھ آگئے نکل گئی۔



نواب عادل پرسوں جانے والے تھے۔ جانے سے پہلے وہ اپنے والد نواب
جہانگیر کے ہمراہ نواب وجاہت علی کے ہاں ایک دن کے لیے آئے۔ بڑی شاندار
دعوت کا انتظام کر رکھا تھا۔ باہر مردانے میں وہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ حویلی میں
روح نشینی ہوئی تھی۔ زیب کو غزالہ نے بلوا بھیجا۔
جب وہ غزالہ کے پاس گئی۔ وہ بڑی گھبرائی ہوئی تھی۔ ایک طرف لے گئی
اور کہنے لگی۔

زیب ہمارا دل گھبرا رہا ہے۔

کیوں، خیریت ہے نا؟

یہ ... دیکھو، انہوں نے رقعہ بھیجا ہے۔ اس کے چہرے پر پسینے کے قطرے
پھینکے گئے۔

ارے تو گھبرا کیوں رہی ہے۔ آخر تم ان کی بیوی بن گئی ہو، کیا حرج ہے؟

تم بڑھو نا، دیکھو کیا لکھا ہے۔ وہ آہستہ سے بولی۔

مگر کس کے ہاتھ بھیجا ہے کسی نے دیکھا تو نہیں۔

یہ موتی سنبل گئی تھی۔ پوچھنے لگی۔ تم غزالہ بیگم کی خاص کنیز ہو نا، اس

حافظ نے کہہ دیا، ہاں۔ پھر کہنے لگی۔ میرا ایک کام کر دو۔ یہ رقعہ اپنی سرکار کو

دے دو اور کہو اس کا جواب ابھی چاہئے۔

ہائے، ہائے ہم کیا کریں۔ ہمارے تو ہاتھ پاؤں میں دم نہیں رہا۔ وہ ہاتھ پاؤں

کر بیٹھ گئی تو زیب زور سے ہنس پڑی۔

میں بھلا آپ کو کیونکر مل سکتی ہوں۔ اپنے آپ میں
اجتی بہت نہیں پاتی۔ امید ہے معاف فرمائیں گے۔
غزالہ۔

ہاں بی سنیل کو دے دو۔ دے آئے جا کر۔ غزالہ کو اس لمحے ہوئے سے
کوئی دلچسپی نہ تھی۔
سنیل خط لے گئی۔ عادل اس وقت مسری پر لیٹے سرکریٹ پی رہے تھے۔
سنیل نے ہنسنے ہوئے خط دیا۔

جلدی سے اٹھ بیٹھے۔ مسکراتے ہوئے رقعہ کھولا۔ پڑھ کر دل میں میٹھی
دھڑکنیں ہونے لگیں۔ غزالہ نے کتنے بچے تھے ہوئے لفظوں میں معذرت کی
تھی۔ کتنے لگے۔

تم بیٹھو، ہم کچھ لکھ کر دیتے ہیں۔ انہیں پہنچا دیتا۔

سنیل ہنستی ہوئی بیٹھ گئی اور عادل میز سے پڑ اٹھا کر لکھنے لگے۔ رقعہ لکھ کر
سنیل کو دیا۔ خود غزالہ کے حسین تصور میں کھو گئے۔ انہیں بڑی خوشی ہوئی تھی۔
غزالہ کی تحریر ہے۔ سنیل خط لے کر غزالہ کے پاس آئی تو وہ اور زیادہ گھبرائی۔
زیب قریب ہی بیٹھی تھی۔ غزالہ کہنے لگی۔

اے لو، یہ تو ڈاک کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہم نہیں لیتے۔ سنیل واپس کر
آؤ اور کہہ دو شریفوں کے ہاں یہ دستور نہیں۔

اے نہیں غزالہ، وہ برا مان جائیں گے۔ لاؤ سنیل۔ زیب نے خط لے لیا
اور پڑھنے لگی۔ لکھا تھا۔

اچھی غزالہ۔

تمہاری میٹھی سی تحریر پڑھ کر ہی چاہتا ہے کہ اپنی خوش
حسنتی کو غور سے نہ دیکھوں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ یہ
محسوس کر رہا ہوں کہ مسرت و کامرانی کے سمندر میں ڈوب
رہا ہوں کہ میری زندگی کی ہنر پڑھی لکھی ہے۔ میں ایک
سال کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ تمہارا حسین تصور میری

ارے اس میں کیا گھبرا رہی ہو۔ یہ تو انہوں نے اچھا کیا۔ اچھا سونا کیا
لکھا ہے۔ زیب رقعہ کھول کر پڑھنے لگی۔ لکھا تھا۔

غزالہ صاحبہ

جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملوں۔ کیا آپ کچھ دیر کے
لیے مجھے مل سکیں گی؟ جواب کا منتظر ہوں۔

عادل

ہائے ہائے گھاس چر گئے ہیں کیا؟ غزالہ نے کہا۔
ارے اپنے میاں کے لیے ایسے الفاظ... ایسا نہ کہو۔ انہوں نے تو اچھا کیا۔
مل لو نا۔

تم بھی دیوانی ہو گئی ہو۔ کیسے مل سکتے ہیں ہم۔

کیوں نہیں کئی طریقے ہیں۔

نہیں بی، ہم تو کبھی نہیں ملیں گے۔ انہوں نے ہم کو پڑھی لکھی لڑکیوں کی
طرح آزاد سمجھ لیا ہے۔

زیب اس بات پر تھلا گئی مگر وہ جانتی تھی کہ غزالہ نے دل سے بات نہیں
کی بلکہ یہی خوشی سادے پن میں کہہ دیا ہے۔ کہنے لگی۔

تمہارے دل میں پڑے لکھے لوگوں کی یہ عزت ہے غزالہ۔

نہیں زیب، وہ دراصل گھبراتی نہیں، جھٹ سے مل لیتی ہیں۔ اتے اتے
بڑے خط لکھ لیتی ہیں۔ ہم ایسے نہیں ہیں۔

اچھا، تو پھر کیا سوچا۔

تم لکھ دو کہ ہم نہیں مل سکتے۔

میں لکھ دوں؟

ہاں لکھ دو نا، ہماری طرف سے۔ وہ شرابے ہوئے ہوئی۔

اچھا۔ زیب نے کانٹہ اور پن لیا اور لکھ کر غزالہ کو سنا دیا۔

نواب صاحب۔

تسلیم۔

زیب ہنس پڑی۔ کہنے لگی۔

یہ بھی خوب رہی۔ مجھے کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا جی۔

تم ہماری سبیلی ہو نا۔ اب کیا کریں۔ تم ہی تو کہتی ہو کہ ان کا دل ٹوٹ جائے گا۔ غزالہ کا منہ ٹھک گیا۔

اچھا اچھا۔ ناراض کیوں ہوتی ہو۔ کہتے دیتی ہوں۔ تمہاری خاطر یہ بھی سہی۔ زیب ہنس کر بولی اور پھر اس نے ایک کانڈ پر اپنا پتہ لکھ دیا کہ یہ میری ایک سبیلی کا پتہ ہے۔ آپ اس پتے پر بے فکر ہو کر خط و کتابت کر سکتے ہیں۔ سنیل خط دے کر آئی اور آکر کہنے لگی۔

نواب صاحب فرما رہے تھے کہ اس نوازش کا شکریہ۔

زیب اور غزالہ ہنس پڑیں۔ دونوں باہر چوتے پر آن بیٹھیں۔

دعوت کا شاندار اہتمام کیا گیا تھا۔ باہر خوب رونق لگی تھی۔ اسی لمحے صباحت آ گئے۔ زیب کو دیکھ کر وہیں جم گئے۔

غزالہ ہم تو کہتے ہیں کہ اپنی سبیلی کو بیس کیوں نہیں رکھ لیتیں۔

یہ نہیں رہتی بھائی جان۔ غزالہ نے کہا۔

کیسی سبیلی ہو، تم کہا نہیں مانتی ہمارا۔ صباحت ہنس کر بولے۔

غزالہ میں جا رہی ہوں۔ زیب اٹھتے ہوئے بولی۔

ارے کیوں، ابھی تو کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں نہیں جانے دوں گی۔

نہیں، اب میں جاؤں گی۔

آپ کیوں جاتی ہیں۔ ہم چلے جاتے ہیں۔ صباحت چھڑی کھماتے ہوئے ڈیمبلوں کی طرح ہنسنے ہوئے چلے گئے تو زیب کہنے لگی۔

غزالہ جانے صباحت بھائی کیوں مجھے تنگ کرنے پر تے ہوئے ہیں۔

ان کی عادت بہت خراب ہو گئی ہے۔ غزالہ نے کہا۔

مگر مجھ کو نصیب کو تنگ کرنے کا فائدہ؟ زیب کی تھوڑی رت میں ڈوب گئی

ارے تم اپنے آپ کو بد نصیب کیوں کہنے لگو۔ غزالہ بولی۔

بد نصیب نہ ہوتی تو ماں باپ زندہ رہتے۔ رو دی۔

تنہائیوں کو بھلاتا رہے گا مگر جانے میں کیوں چاہتا ہوں کہ ان فضاؤں میں تم مجھے خط لکھو تاکہ میں وہاں بھی تمہاری یاد میں کھویا رہوں۔ اسی سارے یہ ایک سال کی طویل مدت گزار لوں گا۔

کیا میں امید کروں کہ تم مجھے خط لکھو گی۔ یہاں پر کسی سبیلی کا پتہ دے دینا تاکہ میں اپنی باتیں تم سے کروں۔ یہ اچھی بات ہے کہ ہم دونوں آنے والے وقت کے لیے آپ کو تیار کر لیں تاکہ ہماری زندگی خوشیوں سے بھرپور ہو۔ امید ہے تم میرا دل نہیں توڑو گی اور مجھے وہاں خط لکھا کرو گی۔ تنہا جی کہ ایک مرتبہ تم سے مل لیتا مگر خبر۔۔۔

خدا حافظ۔ اپنا پتہ مجھے جانے سے پہلے ضرور دے دیتا۔

تمہارا عادل
زیب نے غزالہ کو خط سنایا تو وہ شرم سے سرخ ہو گئی۔ کہنے لگی۔

ہائے اللہ میں کیا کروں۔

یہ تو بڑی اچھی بات ہے غزالہ۔ زیب بولی۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں ایسا دولہا ملا۔ مگر یہ غلط فہمی دور کر دو کہ تم پر بھی لکھی نہیں ہو، ایسا نہ ہو۔۔۔

نہیں زیب، رہنے دو۔ مزا آئے گا۔ خود ہی بعد میں معلوم ہو گا۔

مگر غزالہ ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ کسی کو غلطی میں رکھنا گناہ ہے۔ زیب نے دوبارہ سمجھایا۔

نہیں زیب۔ ہم جو کہتے ہیں وہی کرو۔ رہنے دو۔ تم چاہتی ہو تو اپنا پتہ لکھ دو۔ اچھا یہ خط آتے جاتے رہیں گے۔ غزالہ شرما کر بولی۔

اگر نواب صاحب کو علم ہو گیا تو؟

انہیں کہاں پتہ چلے گا۔ تم اپنے پتے پر منگو لیا کرتا اور خود ہی جواب جس طرح لکھا جاتا ہے لکھ دیا کرتا۔

ہائے اللہ! زیب چپ ہو جاؤ۔ تمہارے رونے سے تکلیف ہوتی ہے۔ خدا کے لیے چپ ہو جاؤ۔

نرمس نے آکر اطلاع دی کہ بڑی بیگم صاحبہ نے یاد کیا ہے۔
غزالہ زیب کو بھی ساتھ لے گئی۔ بیگم صاحبہ آرام کر سی پر بیٹھی تھیں۔
زیب سے کہنے لگیں۔

میں نے نواب عادل کو کھانے کے بعد بلایا ہے۔ تم بھی دیکھ لینا۔
جی ہاں، کیوں نہیں۔ زیب غزالہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ وہ شرم سے سرخ ہو گئی۔ اور ماتھے پر مصنوعی بل ڈال کر زیب کو گھورنے لگی۔
آپ نے ہمیں بلایا تھا امی حضور۔ غزالہ بولی۔

ہاں، ہم کہہ رہے تھے کہ تم دونوں کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ۔
کنیز نے اطلاع دی کہ کھانا چٹا چکا ہے۔ بیگم صاحبہ دونوں لڑکیوں کے ساتھ کھانے کے کمرے میں پہنچیں۔ کئی طرح کے کھانے تھے۔ زیب نے تو خیر پھر کچھ نہ کھایا مگر بیگم صاحبہ تو گویا ہر چیز کو کچھ رہی تھیں۔
غزالہ بھی نفاست سے تھوڑا تھوڑا منہ میں رکھ کر منہ چلاتی۔

آج تو ہم نے خوب کھایا۔ طبیعت بو جھل معلوم ہونے لگی ہے۔ زیب کو ہنسی بھی آئی اور حیرت بھی ہوئی کہ صرف پچھلے سے محترمہ کی طبیعت بھر گئی ہے اور الٹا بوجھ بھی محسوس ہو رہا ہے۔

کھانے کے بعد غزالہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ زیب ساتھ والے کمرے میں پردے کے پیچھے کھڑی تھی۔ عادل میاں آ رہے تھے۔ بیگم صاحبہ نے پھول منگوائے۔ صدقہ انار کے کئی چیزیں منگوائیں۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ آ گئے۔ آتے ہی انہوں نے بیگم صاحبہ کو سلام کیا۔ بیگم صاحبہ نے صدقہ انار۔ پھول پھنکار دیے۔ آپس روپے صدقے کے کنیزوں میں بانٹے۔ پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ عجیب اوٹ پٹانگ۔

زیب نے دیکھا عادل نہایت خوبصورت اور وجہہ ہیں۔ ان کے باتیں نے انداز تو بہت زیادہ خوبصورت تھا۔ نہایت سلجھا ہوا اور غمرا ہوا لہجہ۔

یوں لگتا تھا جیسے تمام زمانہ دیکھ لیا ہے انہوں نے۔ سب کو پرکھ لیا ہے۔ مضبوط جسم، چوڑی چھاتی، چوڑی پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، ہلکا سا خم کھائے ہوئے ہاں۔ زیب کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ واقعی آئیڈیل قسم کے انسان ہیں۔ غزالہ خوش قسمت ہے۔

وہ پردے کے پیچھے کھڑی انہیں دیکھ رہی تھی۔ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ بیگم صاحبہ کی باتوں پر ہنس بھی رہے تھے اور ان کا بے حد ادب بھی کر رہے تھے۔

بیگم صاحبہ فرما رہی تھیں۔

دیکھو میاں، امام خاں ضرور بدحوالہ۔ فرنگیوں کے ملک میں جا رہے ہو۔ وہ سوئی بندریاں بڑی جادوگر ہوتی ہیں۔ دیکھنا خیال کرنا۔ تعویذ منگوا لیا ہے۔ وہ ساتھ لے جانا جاتے ہوئے۔ آج کل کے بچوں کو کیا ہو گیا ہے، تعویذ تو پسننے ہی نہیں۔ یہ بھلا کون سا فیشن میں فرق ڈالتا ہے۔ ہے نا بیٹا۔

جی ہاں، جی ہاں، ضرور۔ وہ مسکرا کر کہنے لگے تو پردے کے پیچھے کھڑی زیب آپ ہی آپ مسکرا دی۔

اور ہاں بیٹا، یہ اتنی پڑھائی کرتے ہو۔ کچھ دماغ کو بوجھانے والی چیزیں بھی تو کھایا کرو نا۔ کچھ روغن بادام وغیرہ ڈھلایا کرو سر میں۔ تم جانو پڑھائی کرنا کوئی مذاق کی بات تھوڑی ہے۔ دماغ خراب ہوتا ہے۔ ہم تو ذرا سا قرآن مجید پڑھ لیتے ہیں تو سر میں درد ہونے لگتا ہے۔ جب تک سر میں مالش وغیرہ نہ کروا لوں چین نہیں پڑتا۔ آج کل تو ہالوں کو خشک رکھنا بھی فیشن ہو گیا ہے۔ بھلا تیل لگانے سے فیشن مارا جاتا ہے۔ وہ سوکھے سوکھے ہاں تو زہر لگتے ہیں۔ گھو تسلا سا بنا لیتی ہیں۔ یہ بھی بھلا فیشن ہے کوئی۔ ہے نا بیٹا؟

جی ہاں بالکل، بالکل۔ انہوں نے پھر ہاں میں ہاں ملائی اور زیب نے ہنسنے لگی۔

اور ہاں بیٹا، کیا ہوائی جہاز میں جاؤ گے؟ بیگم صاحبہ نے ایک اور بات نکالی۔

جی ہاں، ہوائی جہاز سے ہی جاؤں گا۔
 اے بیٹا، جی تو خوب متلاتا ہو گا۔ لیوں اور کالی مرغ ساتھ رکھ لیتا۔ اچھی
 ہوتی ہے۔ اللہ خیر سے لے جائے۔ مجھے تو ہوائی جہاز کو دیکھ کر ہول اٹھتا ہے۔
 ہائے، کیا کیا تکمیر نکل آئے ہیں، تو یہ خدا یا، ہاں بیٹا، شریعت روح افزا اور سکنت
 میں نے اصلی منگوایا ہے۔ وہ ضرور ساتھ لے جاتا۔ تم جانو وہاں پر تو یہ چیزیں
 نہیں ملتی ہیں نا۔

جی ہاں، نہیں ملتیں۔ لے جاؤں گا ضرور، وہ مسکرائے۔
 اور ہاں بیٹا، اپنی پسند کی چیزیں ضرور بنا دو۔ شادی پر کیا ہٹاؤں۔
 جی؟ وہ اب کے چوگے۔
 ہاں ہاں، کچھ پسند ہو تو ضرور ہٹاؤ۔ وہ ہنسی ہوئی کہنے لگیں۔

جی میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ ہنسنے۔
 تھوڑی دیر بعد انہوں نے اجازت چاہی اور سلام کر کے چلے گئے۔
 زیب بھی کنیز کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلی گئی۔ رات بھر وہ سوچتی رہی کہ
 یہ تو بالکل نامناسب بات معلوم ہوتی ہے۔ عادل کے خیالات کچھ اور معلوم
 ہوتے ہیں اور غزالہ اور خیالات کی ہے۔ کیا ہو گا؟
 ہو نہ ہو مجھے کیا؟

اس نے ان دونوں کے خیالات کو جھٹک دیا اور سفید سفید بستر پر لیٹ کر
 سونے کی کوشش کرنے لگی۔

○



نواب عادل لندن جا چکے تھے۔ انہیں گئے ایک ماہ گزر گیا تھا۔ نواب
 وجاہت کی حویلی میں دھڑا دھڑا جینز بن رہا تھا۔ درزی بیٹھے رہتے۔ کبھی جوہری
 آیا ہوتا اور بیگم صاحبہ پر دے کے پیچھے اپنی بے ڈھنگی پسند بتاتی رہتیں۔ زیب
 دوسرے تیسرے روز حویلی میں آیا کرتی۔

صباحت سیر کے لیے دوسرے شہر گئے ہوئے تھے۔ گرمی بہت زیادہ ہو گئی
 تھی۔ اسکول میں چٹیاں ہونے والی تھیں۔
 اس روز نگت کا بھائی پھر آگیا مگر زیب نے لٹے سے انکار کر دیا۔ اسے بڑا
 غصہ آیا۔ اس کا آخری پیرٹ تھا۔ وہ اسٹاف روم میں آئی۔ دیکھا فیروزہ بیٹھی
 ہے۔

اس وقت انگلش نہیں لوگی فٹو کی۔ زیب بولی۔
 نہیں آج مس رشیدہ نے پیرٹ لے لیا ہے۔ اسے ڈرامے کی ریسرسل
 کروانی ہے۔ فیروزہ نے جواب دیا۔
 آؤ ذرا تک شاپ تک چلتے ہیں۔ ایک ایک سیون اپ۔

ہاں ہاں، چلو۔
 دونوں تک شاپ تک آگئیں۔ سیون اپ لے کر وہ دور جا بیٹھیں۔
 یہ نگت کا بھائی جانے کیا بلا ہے۔ زیب مسکرا کر بولی۔
 آج کھر آیا تھا نا؟

ہاں۔

پھر؟

پھر کیا میں نے ملنے سے انکار کر دیا۔

تم تو بھی تو بڑی سویت۔ وہ بے چارہ کیا کرے۔ غیندیں اڑ گئی ہوں گی بے چارے کی۔

ہو نہ۔ ان حضرات کی غیندیں بھی جلد ہی اڑتی ہیں۔ بے قراری بڑی چیز ہے۔

روز ہی تو اس کا دھندا ہے۔ ایک مرتبہ بے قرار ہوں تو کوئی بات بھی ہے۔ جہاں پر کچھ دیکھا ہے قرار ہو گئے۔

واقعی زیب یوں معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ہر ایک کی آنکھوں میں ایک پیغام ہے۔ جہاں موقع ملتا ہے اگلنے کو بے تاب ہو گئے۔

فوزی تم سناؤ، تمہارے ان کا کیا حال ہے؟

اچھا ہے۔ بہت خوب ہے۔ فیروزہ بھی۔

کب آرہے ہیں؟

اگلے مہینے۔

پھر تو شادی ہو گی۔

میں تو اس سرودس سے تنگ آ گئی ہوں۔ پھینکی سی زندگی، نہ کوئی لطف نہ کوئی ڈھنگ۔

اچھا! ہاں یہ تو ہے۔ تمہاری بھی شادی ہو جائے گی تو پھر میں کیا کروں گی؟ تم بھی شادی کر لیتا۔

میں؟ زیب کی آنکھوں میں یاس پھیل گیا۔

ہاں! تم کیا نہیں کر سکتی۔ مس شاد کو دیکھو! بچاری اشتہار دے کر مر گئی۔ فیروزہ بولی۔

اشتہاری شادی سے کیا عزت؟

عزت کیوں نہیں! ہاں بچ ایک مزے کا قصہ تو سنانا بھول ہی گئی۔ وہ مس شاد نے مختلف پرچوں میں ضرورت رشتہ کے اشتہار دیے تھے نا۔

پھر؟ زیب ہنس کر بولی۔

ایک دن اکٹھے بارہ رشتے آ گئے۔ فیروزہ قہقہہ لگا کر بولی۔

بچ۔ زیب نے پوچھا۔

ہاں! اللہ قسم خود ہی تو بتا رہی تھی اس وقت۔ کتنے گلی۔ سب کے سب نمونے۔ ایک صاحب تھے کھاڑے۔ آتے ہوئے ایک دو پرانی ساڑھیاں بھی لے آئے۔ کتنے گئے گھر میں یہ دو دانے اچھے مل گئے تھے، سوچا تحفہ لینا جاؤں۔ دوسرے صاحب چڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ شاد کتنی ہے کہ اس قدر بدبو تھی جناب کے کپڑوں میں۔ فرمانے لگے۔ ہم کاروباری آدمی ہیں۔ ہم صرف کمائی پر نظر رکھتے ہیں۔ آج کل جو شوقین مزاج ہیں نا ان کی جیب میں پیسہ نہیں بلکہ گاجریں ہوتی ہیں۔

زیب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ کتنے گلی اور کوئی۔

ایک دفعہ ایک شاعر صاحب آئے تھے۔ بڑے ہانکے تھے۔ کتنے گئے دو مجموعے شائع ہونے کی دیر ہے۔ فیض احمد فیض کو پیچھے کر دوں گا مگر مجھے سکون کی ضرورت ہے۔

مجھے علم ہے تو جھوٹ بول رہی ہے۔ زیب بولی۔

تھوڑی سی ملاوٹ ہے۔ ویسے کسی حد تک صحیح کہہ رہی ہوں۔

اچھا اور... زیب نے پوچھا۔

بس مختصر یہ کہ ایک ہیرو تھے۔ ایک ریلوے ملازم۔ شاید انجن میں کونڈ ڈالنے والے اور ایک گھاس کا دھندا کرتے تھے شاید۔

بس رہے دو۔ زیب ہنس کر بولی۔ کیوں بے چاری کو بدنام کرتی ہو۔

جینز بنا کر وہ گئی ہے چاری۔ لڑکوں کا ہی پڑ گیا ہے۔

واقعی لڑکے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ زیب نے کہا۔

لکے کے چار سیر، کم کہاں ہیں۔ فیروزہ بولی۔

اور مس قیوم؟ زیب نے کہا۔

وہ کتنی ہے کہ اس کی شادی ایئر فورس کے پائلٹ سے ہو رہی ہے۔

بکلی ہے۔ زیب نے کہا۔
کیوں، وہ اپنی مرضی سے شادی کرتے ہیں۔
جہیں کیسے معلوم۔

بس پڑھ لیتی ہوں دل کا حال۔
اف خدایا، یہ مس کس قدر دلی ہے۔

میں نے کہا تھا کہ گوشت کا وہ دن ناغہ ہے۔ تمہارے ہاں آٹھ دن ناغہ ہے۔
واقعی پٹل ہے۔ ویسے ہے بڑی خوش اخلاق۔
ہاں، اس میں کیا شک ہے۔

تم سناؤ تمہارے مباحث تو اب کیسے ہیں۔
مرے ہوئے ہیں کہیں۔ اچھا ہے۔

یہ نوابوں کی اولاد بھی کمال کی ہے۔

پیرے کھانا پڑے تو پتہ چلے۔ اڑاتے ہیں۔ رات کو طوائف کا کوٹھا ہوتا ہے
اور وہ ہوتے ہیں۔ کینڑوں سے دل بہلایا جا رہا ہے۔ شکار کا پروگرام بن رہا
ہے۔ کبوتر اڑائے جا رہے ہیں۔ پتنگ کا شوق نیا چرایا ہے آج کل۔

تم بڑی جلی ہوئی ہو۔

مجھے تو زہر لگتا ہے۔

اور شہد کون لگتا ہے؟ فیروزہ ہنسی۔

وہ ابھی پتہ نہیں کہاں ہے۔ زیب بولی۔

تھنٹی بج چکی تھی۔ دونوں نے تک شاپ پر غالی یوٹلیں دیں اور کلاس روم
کی طرف چل دیں۔

زیب، تم تو میرے گھر آتی ہی نہیں، آنا کسی روز۔ فیروزہ نے کہا۔

ہاں ہاں، آؤں گی۔ کہتے ہوئے وہ کلاس روم کی طرف چلی آئی۔ یونیفارم

والی پیاری پیاری بیجیوں میں کھو سی گئی۔

○



زلفن نے آتے ہی اسے ایک خط دیا۔ خط لندن سے آیا تھا۔ شام وہ غزالہ
کے پاس گئی۔ ہند لٹافہ تھماتے ہوئے کہنے لگی۔

خط آیا ہے تمہارا۔

تو پھر ہم کیا کریں۔ پڑھو نا۔ غزالہ ہنسی۔

زیب نے خط نکالا۔ نہایت دلکش تحریر تھی۔ لکھا تھا۔

اچھی غزالہ۔

کئی روز سے ارادہ کر رہا ہوں کہ جہیں خط لکھوں۔

کچھ مصروفیت تھی۔ کچھ جہیں خط لکھنے کا خیال بڑا دلکش

معلوم ہوتا تھا۔ سو دیر ہوتی چلی گئی۔ مجھے معلوم نہیں غزالہ

تمہارے کیا خیالات ہیں۔ تم کیسی ہو۔ بچپن میں ایک بار

جہیں دیکھا مگر یاد نہیں پڑتا۔ ان بہت ساری لڑکیوں میں تم

کوئی تھیں۔ کئی تصویریں بنتی ہیں تمہاری اور میگزین جاتی ہیں۔

یہ بھی تو ایک دلچسپ کھیل ہے۔ ہے نا۔

میں چاہتا ہوں کہ ہم دونوں کے خیالات ایک ہوں۔

جو چیز چھپے پند ہو وہ تمہیں بھی پند ہو اور اب اگر ایسا نہیں

ہے تو ہمیں ایک دوسرے کی پند کے مطابق اپنے آپ کو

ڈھال لینا چاہئے۔ تاکہ ہم اچھی زندگی گزار سکیں۔ ہم

دونوں نے ایک نہایت دقیقہ داری سے غزالہ ان میں جنم لیا ہے۔ میں

جس کہ اکلی خواہ خواہ پڑی رہتی ہے۔
 آ جاؤں گی جب تمہاری شادی ہوگی۔ زیب بولی۔
 وہ شرما کر ہنسوتی بن گئی۔ زیب اس کی ٹھوڑی چھو کر کہنے لگی۔
 اب میں جاتی ہوں، پھر آؤں گی۔
 تم آ جاؤ تو یہ ساتھ والا کرہ ہم تمہیں دے دیں گے۔
 اچھا، سوچوں گی۔ کہتے ہوئے زیب چلی گئی۔
 ○

عزیز سہیل میرے زیب، آپ کا خط انہیں دکھایا ہے۔ وہ بھی
 سلام کہتی ہے۔

آپ کی دیر
 صبر

غزالہ نے خط بنا تو کہنے لگی۔ ایک شعر ہمیں یاد ہے۔ وہ لکھ دو۔
 کون سا شعر؟

وہ ... خط لکھا ہے میں نے نیلی سیای سے۔ ارے نہیں شاید لال سیای
 سے، 'نہیں نہیں' لال بھی نہیں شاید کالی سیای سے۔ غزالہ شعر بھول گئی۔
 چلو کوئی تو سیای ہوگی۔ تم شعر بتاؤ۔ زیب اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہنے
 لگی۔

وہ یوں ہے کہ۔

خط تو لکھا ہے میں نے نیلی سیای سے
 دل میرا جل گیا تیری جدائی سے
 کتنا اچھا ہے۔ غزالہ خوش ہو کر بولی۔

یہ شعر نہیں لکھنا چاہئے۔ زیب نے اپنا سر پکڑ لیا۔
 ایک اور شعر آتا ہے ہمیں۔ وہ بتاؤں۔ غزالہ جلدی سے بولی۔
 ہاں ضرور بتاؤ۔

وہ یوں ہے کہ۔

شیشی بھری مگلاب کی پتھر پہ توڑ دوں
 اور اگر آپ کا خط نہ آئے تو کھانا بھی چھوڑ دوں
 اچھا ہے نا۔ غزالہ نے واہ چاہی۔

اچھا ہے مگر اس خط میں نہیں اگلے میں لکھتا۔ زیب نے ہنستے ہوئے کہا۔
 زیب نے خط لیا اور کہنے لگی۔ میں صبح پوسٹ کر دوں گی۔
 ہاں کر دینا اور زیب، تم ہمارے ہاں کیوں نہیں رہتی۔ امی حضور کہہ رہی

میں جانا ہوں مگر تم سوچ لیتا۔
وہ چلا گیا تو زیب نے اسے کانپ رہی تھی۔ اس کی عجیب حالت ہو رہی
تھی۔

وہ چپ چاپ بستر پر آکر لیٹ گئی اور سوچنے لگی کہ آخر کیا ہو گا۔ یہ
صباحت تو پکا غٹھا ہے۔ کوئی شرارت نہ کر بیٹھے۔ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ نواب
صاحب سے کہہ دینا چاہئے ہاں۔ مگر کب؟

اسی وقت۔ ہاں۔ اس نے جلدی سے زلفن کو اٹھایا اور اسے ساتھ لے کر
نواب صاحب کی حویلی کی طرف چل دی۔ چہرے پر عجیب طرح کی بے چارگی
تھی۔ آنکھوں میں آنسو چل رہے تھے۔ نواب صاحب سو رہے تھے۔ وہ سیدھی
بینک صاحبہ کے کمرے میں پہنچی۔ وہ بھی سو رہی تھیں۔ زیب کی سسکیاں سن کر
بہڑا کر اٹھیں۔

تم اس وقت زیب، اور روکیوں رہی ہو؟ وہ گہرا کر بولیں۔

جواب میں ہچکیاں تیز ہو گئیں۔

بتاؤ نا، تم ہی بتاؤ زلفن۔

بینک صاحبہ، چھوٹے نواب صاحب جھگ کرتے ہیں۔ اس رات میں چلے
آئے۔ اب بتائیے ظلم ہے نا۔

اس کی آوارگی اس قدر بڑھ گئی ہے کہ وہ اینٹوں اور خیموں میں تیز کرنا
ہی بول گیا ہے۔ ہم ابھی نواب صاحب کو خبر کرتے ہیں۔ بینک صاحبہ نے غصے میں
غصیں۔

میرے خیال میں ابھی نواب صاحب کو خبر نہ کیجئے۔ بڑی بی یولیں۔

وہ کیوں؟

ان کا غصہ خراب ہے۔ آپ خود صباحت میاں کو سمجھائیے۔

اچھا۔ مگر زیب تم سے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ وہاں مت رہو۔ یہاں آ جاؤ۔
مگر تم نہیں مانتی۔

ہاں، آ جاؤں گی اب۔ زیب روتے ہوئے کہنے لگی۔



نواب صباحت والیں آ گئے تھے۔ اسی رات جب وہ گانا سننے کے بعد لوٹ
رہے تھے تو زیب کے مکان کی طرف سے گزرتے ہوئے رک گئے۔

اندھرتی چلی رہی تھی اور روشنی چمن چمن کر آ رہی تھی۔ وہ دروازے
کی طرف بڑھ گئے اور آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹایا۔

زیب خود آئی کیونکہ وہ کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس نے سوچا زلفن کو کیا چٹکایا
جائے۔ دوسرے اسے حیرت بھی تھی کہ اتنی رات کو کون آیا ہے۔

اس نے کڑی کھولے بغیر ہی پوچھا۔
کون ہے؟

ہم ہیں۔ صباحت نے کہا۔

زیب نے آواز پچکان لی۔ اس وقت کیا کام ہے؟

تم دروازہ تو کھولو۔

دروازہ نہیں کھل سکتا۔ آپ کی شکایت نواب صاحب سے کرنی پڑے گی۔
وہ تیز سے میں بولی۔

دیکھو زیب، یہ وقت مت ہو۔ ہم جہیں اپنے دل کی دانی بنائیں گے۔

صباحت۔ خبردار اگر ایک لفظ بھی منہ سے نکلا۔ تم اتنے ذلیل ہو گئے ہو کہ
جہیں خیال نہیں آتا کہ میں تمہاری بہن کی جگہ ہوں۔

فضول باتیں نہ کرو۔ سمجھو خدا کے لیے۔

واہیں چلے جاؤ۔ زیب گرج کر بولی۔

ہاں بچی، تمہارا کیا بوجھ ہے۔ یہاں کم از کم حفاظت میں تو رہو گی۔
 ہاں بچی، بیگم صاحبہ ٹھیک فرماتی ہیں۔ بڑی بی نے کہا۔
 ہاں بڑی بی، ہم ضرور یہاں آ جائیں گے۔ مجھے ڈر کتنے لگا ہے۔ زیب
 روٹی رہی۔

اس رات بیگم صاحبہ نے اسے وہیں رکھا۔ رات بھر میں اس نے پکا فیصلہ
 کر لیا کہ صبح وہ اپنا ضروری سامان لے کر غزالہ کے ساتھ والے کمرے میں آ
 جائے گی۔



دوسرے روز زیب نے اپنا تمام سامان اسی مکان میں بند کر دیا اور مختصر سا
 سامان لے کر حویلی آ گئی۔ غزالہ نے اسے اپنے ساتھ والا کمرہ دے دیا۔ اس دن
 کینڑوں سے مل کر اس نے کمرہ سیٹ کر لیا۔ غزالہ، زیب کے آ جانے سے بہت
 خوش تھی۔

مباحث کو جب معلوم ہوا تو خوشی تو اسے بھی ہوئی مگر ساتھ رنج بھی کہ
 اب وہ خود ان کی پناہ میں آ گئی ہے۔ اب بھلا کیا ہو سکتا ہے۔
 اسی روز زیب کو ایک خط بھی ملا۔ اس نے لا کر غزالہ کو دیا اور کہا کہ
 عادل کا خط آیا ہے۔

جب وہ ذرا فارغ ہوئی تو غزالہ نے خط دیا اور کہا پڑھو۔
 غزالہ ہتھیلیاں چرے سے ٹکا کر سننے کے لیے بیٹھ گئی اور زیب خط پڑھنے
 لگی۔ کھٹا تھا۔

اچھی غزالہ۔

کتنے دن تک تمہارا خط پڑھتا رہا اور لطف اندوز ہوتا
 رہا۔ کیا دلکشی ہے تمہاری تحریر میں۔ اس کی لطافت میں کھو
 سا گیا ہوں۔ سوچتا ہوں تمہاری تحریر اتنی دلکش ہے اور تم،
 تمہاری باتیں، کیا ہوں گی۔

واقعی بہت خوش نصیب ہوں میں۔ مجھے سفید رنگ
 بہت پسند ہے۔ کل میں نے تمہارے لیے بہت سی سفید سفید

چرخ فریدی ہیں 'مست ہی پیاری' تمہیں کوئی رنگ پسند ہو
تو ضرور بتانا۔

رہتا۔

نظا

عادل

خط سن کر غزالہ بولی۔

ویسے ہیں بونے وہ۔

وہ کیوں؟ زیب نے پوچھا۔

کیسی کیسی باتیں لکھتے ہیں۔ ہماری سمجھ میں تو آئی نہیں مگر تھوڑا تھوڑا سمجھ
لیتے ہیں اور ہاں یہ کیا پسند ہوئی، موٹی سفید رنگ کی چیزیں تو ہمیں ایک آنکھ
نہیں بھاتیں۔

ارے سفید رنگ تو بہت پیارا رنگ ہے۔ زیب نے کہا۔

اوں ہوں۔ جیتے جی تو ایسا ممکن نہیں۔ ہم تو کبھی نہ پہنیں سفید رنگ۔
ہمیں تو تیز تیز رنگ پسند ہیں۔ خاص کر مجھے تو سرخ اور نارنجی رنگ پسند ہیں۔

بھلا سفید بھی کوئی رنگ ہے۔

تو پھر کیا لکھوں؟ زیب بولی۔

خط لکھ دو، اور اس میں فی الحال یہی لکھ دو کہ آپ کی پسند ہماری پسند
ہے۔ دیکھی جائے گی بعد میں۔

اور تصویر کے لیے۔

اے لو دیوانے ہو تمہیں کہیں۔ ہم کیا اتنے گلے مگر رہے ہیں جو تصویریں
بجھیں گے۔ بھلا نوابوں کے ہاں بھی ایسا ہوا ہے۔ موئے فرنگیوں کا جادو چڑھ گیا
نا آخر۔

نہیں، ان پر فرنگیوں کا تو ذرا بھی جادو نہیں چڑھا۔ زیب آہستہ سے بولی۔
یہ تصویریں والا دروازہ تو ان ہی میں ہے۔ شریفوں کے ہاں نہیں۔ تم لکھ
دو کہ شریفوں کے طور طریقے یہ کیسے۔

ہائے ہائے کیا غضب کھتی ہو۔ ایسا تو کبھی بھی نہیں لکھتا چاہئے۔ ان جیسا
شریف کون ہو گا بھلا۔ زیب بولی۔

پرسوں کچھ دوست کلب لے گئے۔ مگر ذرا بھی دل نہ
لگا۔ گم سم بیٹھا رہا۔ یہاں پر رات کو زندگی چلتی ہے مگر میں
سوتا ہوں اور تمہارا حسین تصور مجھے بہت زیادہ لوگوں سے
بچاتا ہے۔ میرے دوست مجھے شہر کی کھلی سڑکوں اور
خوبصورت بازاروں میں گھماتے ہیں مگر کتنے بے جان معلوم
ہوتے ہیں۔ یہاں کے بازار میں لوگ آرام آرام سے چل
رہے ہوتے ہیں۔ جیسے انہیں کہیں پہنچنے کی جلدی نہیں۔
جیسے ان کے پاس بہت سادقت ہے اور اسے وہ گزار نہیں
سکتے۔ جیسے ان کے پاس کوئی کام نہیں۔ اور واقعی کوئی بھی تو
کام نہیں ان لوگوں کے پاس۔ اس لیے انہیں زندگی میں
رفار کی اہمیت کا احساس نہیں۔ کہاں ایک تیل گاڑی اور
کہاں آسمان کی دستوں کو چرتا ہوا ہوائی جہاز۔ لیکن ایک
بات ہے غزالہ، یہ رفاہ ایک ذہنی عمل بھی ہے۔ میں
محسوس کرتا ہوں کہ ہم لوگ ذہنی طور پر تیز چلنے کے قابل
نہیں بلکہ سوچ سوچ کر قدم اٹھانے کے قابل ہیں۔ یہاں
کاروں کی رفاہ بھی سست ہے جیسے کوئی چیز بھی تیز چلنا نہیں
چاہتی۔ مگر میں کتنا عجیب ہوں کہ اس ماحول میں اپنے آپ کو
کیا نہیں سکھا۔ انسان غیادی طور پر دی رہتا ہے جو وہ
دراصل ہوتا ہے۔ میں تمہیں خط لکھتا رہتا ہوں۔

غزالہ۔ اگر اپنی ایک تصویر بھیج سکو تو بے حد مشکور
ہوں گا۔ دل میں جو بے کالی ہے وہ تو کم از کم دور ہو جائے
گی۔ تصویر بھیج رہا ہوں، قبول کرنا۔ کیا تصویر بھیج رہی ہو؟
تمہاری سہیلی زیب تو یقیناً ابھی ہوں گی۔ انہیں سلام

کیوں نہیں کیا معلوم؟ غزالہ منہ بنا کر پولی۔

مجھے ... وہ ... ان کی تحریر سے پتہ چلتا ہے۔ زیب گھبرا گئی۔

اے بی، تم ان نوابوں کی اولاد کو نہیں جانتیں۔ یہ تو پوتڑوں کے بچے ہوئے ہیں۔ یہ تو ہر صورت عیاشی کرتے ہیں۔

نہیں غزالہ، تمہارے دولہا تو بہت اچھے ہیں۔ بہت اونچے خیالات ہیں ان کے اور بڑی محبت کریں گے تم سے۔ تم تو بہت خوش نصیب ہو۔

یہ سب دکھاوے کی باتیں ہیں زیب۔ اصل میں تم نہیں جانتیں۔

سب ایک جیسے تھوڑی ہوتے ہیں۔ زیب کا عادل کی تعریف کرنے کو جانے کیوں جی چاہ رہا تھا۔

اچھا بہن، تم جیتیں اور ہم ہارے۔ پڑے لکھے لوگ واقعی اشاروں میں باتیں کرتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھ سکتے۔

اچھا تو خط لکھ دوں۔ زیب خود بے تاب حتی خط لکھنے کے لیے۔

ہاں ہاں لکھ دو، تم خود ہی لکھ دیا کرو نا۔ ہم سے بھلا پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟

پھر بھی تم سے پوچھنا اور تم کو سنانا تو ضروری ہے۔ زیب نے کہا۔

ارے ہمیں کچھ آتا جاتا ہے کیا؟ غزالہ ہنسی۔

میری مانو تو مجھ سے پڑھنا شروع کر دو۔ جب تک تمہاری رعیت ہو گی میں بہت محنت کروں گی تمہارے ساتھ۔ عادل چاچ بہت خوش ہوں گے۔ زیب نے دوبارہ اسے پڑھانے کی کوشش کی۔

نہیں بی، رہنے دو یہ بکیرا۔ ہم نہیں پڑھتے۔ باز آئے ہم تو۔ ہمارے سر میں اتنا زور نہیں۔

میں تو کہتی ہوں کہ تم پڑھنے لگ جاتی۔ کم از کم خط تو لکھ لیا کرتیں نا۔ جب سرسرا جاؤ گی تو مجھے خط لکھ دیا کرو گی۔

دیے ہیں یہ تو معلوم ہے کہ خط کیسے لکھا جاتا ہے۔ غزالہ ہنس کر کہنے لگی۔

کیسے؟

اوندہ ہم نہیں بتاتے۔

اچھا یہ بتاؤ کہ اگر تم عادل کو خط لکھو تو کیسے لکھو گی؟

ہم جانتے ہیں بھی، کون سی مشکل بات ہے۔ لکھیں گے۔ برخوردار ...

زیب زور سے ہنس دی۔

ہنسی کیوں تم؟ غزالہ نے پوچھا۔

یونی۔ اچھا آگے بتاؤ۔

برخوردار، عزیزم، سلامت باشد، اسلام علیکم، بعد سلام کہ واضح ہو کہ یہاں پر خیریت ہے اور وہاں کی خیریت مطلوب چاہتی ہوں۔ دیگر احوال یہ ہے کہ ... غزالہ طوطے کی طرح رٹا ہوا بول رہی تھی اور زیب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی جاری تھی۔

واہ تم کیوں نہیں رہی ہو؟

یونی۔

نہیں کوئی بات تو ہے۔ غزالہ نے پوچھا۔

دیکھو غزالہ، عزیزم اور برخوردار تو اولاد کے لیے لکھا جاتا ہے۔ تم عادل کو کیسے لکھ دو گی۔ زیب نے کہا۔

ارے ... وہ شرمائی اور پھر چیختی ہوئی آواز میں بولی۔

ہمیں کیا معلوم۔ ہم نے تو یہی خط سنے ہیں۔ اب حضور جب کہیں جاتے ہیں تو اسی قسم کے خط لکھا کرتے ہیں۔

تم کو تو میں تمہیں سکھا دوں۔ زیب مطلب کی بات پر آگئی۔

نہیں اب ہم نہیں سیکھیں گے۔ ہمیں چاہیے پڑھانی سے۔

غزالہ کے چہرے پر بیزاری کی لکیریں واضح ہو گئیں۔

اسی وقت زیب نے عادل کو خط لکھ دیا۔ غزالہ کو سنایا۔

میرے اپنے۔

سلام عقیدت۔

اس کئے گئے سے ماحول میں آپ نے جو رخ روشن کی ہے۔ اس کی روشنی میرے دل و دماغ پر چھا گئی ہے۔ اس روشنی میں میں نے زندگی کا منسوم پالیا ہے اور زندگی گزارنے کی حسین جینائیں جو دل میں چھپی ہوئی تھیں سر اٹھانے لگی ہیں۔ عادلؔ مجھے اس پر فخر ہے کہ قدرت نے مجھ پر اپنی مہمانیوں کے تمام دروازے کھول دیئے ہیں۔ میری آپ کی ایک جیسی عادتیں ہیں۔ سفید رنگ سے مجھے انس نہیں بلکہ عشق ہے۔ کتے ریلٹے ہیں ہمارے خیالات۔ اگر خدا نخواستہ کوئی ایسی بات مجھ میں ہوئی جو آپ کو پسند نہ ہو تو میں اسے ختم کر دوں گی اور کوشش کروں گی کہ میں آپ کو وہ تمام سکھ دے سکوں جس کے آپ متحسی ہیں۔

ایک بات کہوں ... کہتے ہوئے حجاب مائع ہے مگر کئے دیتی ہوں ... آپ کب واپس آئیں گے ... جلد آئیے ناؔ یہ بھلا کیا تک ہے کہ اس زنجیر کو بانڈھ کر آپ دوڑ جا بیٹھے ہیں اور ترسپنے کا لطف دیکھ رہے ہیں۔ بھلا اس کی ضرورت تھی ... دیئے ایک بات کہے دیتی ہوں کہ حضور ... ایسی قید اور زنجیر میں بھر کے بت سے افسانے ہیں۔ بہت سی کہانیاں ہیں۔ بہت پیاری۔ اپنے اندر ایک عجیب سکھ لیے ہوئے۔ ایک انجانا ماسرور لیے ہوئے۔ بلکے سے غم کی آمیزش بھی ہے ان میں۔

آپ کی محفلوں میں ہوں ... یقین نہیں آتا۔ کیا واقعی؟

جی چاہتا ہے آکھیں بند کئے دیر تک یہی بیویزاتی رہوں۔

تیری محفل میں ہوں ... میں ہوں ... صرف میںؔ عادل

جلد آئیے نا۔

آپ نے تصویر کا کھسا ہے۔ میں تصویر نہیں سمجھوں گی نہ میرے پاس ہے۔ خودی آکر دیکھ لیجئے گا اپنی غزالہ کو کہ وہ کیسی ہے؟ آپ کے خیال کے مطابق ہے یا نہیں۔

آپ کی تصویر ملی۔ بے حد شگزیہ۔ اسے دیکھ کر میرا جی چاہا کہ کھوکھٹ نکال لوں اور کہوں ... کون اتنی محبت اور پیار سے ہمیں دیکھ رہا ہے۔ مجھ میں تاب نہیں ان نظروں کی گہرائیوں میں جھانکنے کی۔ اسے دیکھ کر میں شرما جاتی ہوں۔

ذہب کہہ رہی تھی کہ کچھ توڑی ہیں جو شرما رہی ہو مگر ... مگر ... عادل ... دل بڑی طرح دھڑک رہا ہے۔ بڑی نٹ کھٹ نظریں ہیں حضور کی۔ ذہب سلام کہہ رہی ہے۔ اب خط ذہب کے سکول کے بچے پر لکھئے گا کیونکہ وہ میرے پاس آگئی ہے۔ پتہ حاضر ہے۔

نقطہ

آپ کی اپنی غزالہ

خط بند کر کے پوسٹ کروا دیا گیا۔ غزالہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور ذہب اپنے پتنگ پر لیٹ کر سوچنے لگی کیا عجیب ماکمل کھیل رہی ہوں۔ مجھے عادل کو صاف صاف لکھ دینا چاہئے۔ ان کے جذبات کو کتنی تھیں پیچھے کی۔ جب وہ غزالہ سے ملیں گے۔ مجھے انہیں صاف صاف بتا دینا چاہئے مگر ... یہ بھی تو ظلم ہو گا۔ ہو سکا ہے کہ وہ شادی سے انکار کر دیں۔ پھر غزالہ اور ثواب صاحب کے احساؤں کا یہی بدلہ ہو گا۔ نہیں نہیںؔ اس میں غزالہ شریک ہے۔ غزالہ کو کیا معلوم۔ میں تو عادل کو اتنا اونچا لے جا رہی ہوں کہ وہ اس تحریر کے آئیے میں غزالہ سے پیار کرنے لگا ہے۔

کیا ہو گا؟ اس کے خط دیکھ کر میرا دل چاہتا ہے کہ اسے اسی طرح جواب



زیب بٹی، کیا بات ہے؟ بیگم صاحبہ چمائی ہوئے کھنے لگیں۔

جی کوئی بات نہیں۔ وہ سر جھکا کر بولی۔

ہم محسوس کر رہے ہیں تم بڑی اداس ہو گئی ہو۔ کئی دن سے رنگ بھی پیلا

پڑ گیا ہے۔ کوئی تکلیف تو نہیں۔

جی نہیں بیگم صاحبہ، یونہی آپ کا خیال ہے۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔

کئیں کچھ بیمار وغیرہ تو نہیں۔ بیگم صاحبہ بولیں۔

جی بالکل نہیں، آپ کی تو بہت عنایت ہے مجھ پر۔

دیکھو بٹی، ہم جنس غزالہ کی طرح اپنی ہی بٹی سمجھتے ہیں۔ کسی چیز کی

ضرورت ہو تو بلا دروغ کہہ دیا کرو۔ ہاں۔

جی بہتر۔ زیب اٹھ کر چلی گئی۔

سکول میں چھٹیاں تھیں۔ وہ غزالہ کے پاس آئی۔ غزالہ بھی محسوس کر رہی

تھی کہ زیب بہت اداس ہے۔ ان دنوں متعدد بار اس نے بھی پوچھا کہ کوئی

غافل خواہ جواب نہ مل سکے وہ ہر بار ٹال جاتی۔

سکول کا چڑھایا ڈاک دے گیا۔ اس میں عادل کا خط بھی تھا۔ بڑا طویل

محبت سے لبریز۔ زیب نے پڑھا۔ وہ ٹکاپ ہی گئی۔ عادل اس سے زیادہ اس آگ

میں جل رہا تھا جس سے پیچھے ہٹنا ممکن نہ تھا۔ اس نے اس خط میں یہ بھی تو لکھ

دیا تھا کہ غزالہ، تمہارا خط مجھے زندگی کا پیغام دیتا ہے۔ کسی دن تاخیر کی تو میری

سائنس ریک جانے لگی۔

دیا جائے۔ اس سے اسی طرح کی باتیں کی جائیں جو وہ چاہتا ہے۔

اسے اپنے ضمیر میں چھپن سی محسوس ہوئی۔ کانٹے سے چپھنے لگے۔ کیونکہ

ایک نئی بات کا انکشاف کر رہا تھا دل ... ڈرتے ڈرتے اس نے پھر دل سے کہا۔

نہیں نہیں ... ایسا نہیں ہے۔

ایسا ہے، تجھے کیوں عادل کے غلطوں کا انتظار رہتا ہے۔ تو کیوں اپنے

خیالات اسے کھتی ہے تو غزالہ کی کوئی بات نہیں کھتی بلکہ جو تیرا دل کتا ہے

وہ کھتی ہے۔ اس کی تصویر دیکھ کر تیرے دل میں بیٹھی دھڑکنیں پیدا ہو گئی

تھیں۔ تو ہی تو اب نہیں لاسکی ان نگاہوں کی۔ غزالہ بچاری کو ان باتوں کا کیا

علم۔ وہ تو ایک بے وقوف سی لڑکی ہے۔

غلطوں کا سلسلہ چل نکلا۔ دونوں طرف سے محبت ٹائے کھے جانے لگے۔ وہ

اکثر سوچتی غزالہ پر ظلم ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

دل ان باتوں سے ہلاتا رہے۔ وہ نہیں سوچتا کہ کس پر ظلم ہو رہا ہے کس

پر رحم۔ وہ تو جذبات کے دھارے پر بہتا جا رہا ہے۔ تجھے واقعی محبت ہو گئی ہے

عادل سے۔ وہ تیری روح میں بسنے لگا ہے۔ وہ کانپ ہی گئی۔

میرا کوئی تصور نہیں۔ کوئی تصور نہیں۔

کیوں تیرا کوئی تصور نہیں۔ اسے اپنے سوال کا جواب خود ہی مل گیا۔ تم

نے اچھے اچھے لوگوں کو لفٹ نہیں دی۔ اگر محبت کی بھی تو کہاں۔ جہاں تم بھی

کامیاب نہیں ہو سکتی۔ جیسے جی تمہاری محبت کو کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

میں اس آگ سے اپنے آپ کو بچاؤں گی۔ بچاؤں گی۔ ورنہ میں جل کر

راکھ ہو جاؤں گی۔ تباہ ہو جاؤں گی۔ اب آئندہ خط نہیں لکھوں گی عادل کو۔

غزالہ جانے اور اس کے کام۔ مجھے کیا۔

وہ دل کی آواز ان جھوٹی باتوں سے چھپانے کی کوشش کرتی رہی۔

کیا ہے۔ دل بے حد پریشان ہے۔

آپ کی تصویر میں نے اپنے پاس رکھ لی ہے۔ جانے کیوں ... آئندہ شاید آپ کو خط نہ لکھ سکوں۔ اس لیے معاف فرمائیے گا۔

ایک حرام نصیب

خط صبح اس نے پوسٹ کر دیا۔ مگر عجیب سی بے کلی محسوس کر رہی تھی وہ۔ غزالہ نے ایک مرتبہ پوچھا بھی کہ عادل کا کوئی خط تو نہیں آیا مگر اس نے انکار کر دیا۔ غزالہ کی صورت دیکھتے ہی اس کا چہرہ زرد ہو جاتا۔ غزالہ حیران تھی کہ زیب کو کیا ہو گیا ہے۔ یونہی بیٹھے بیٹھے سوچتا تو اس کی عادت ہو گئی۔

کبھی وہ بارغ میں ملتی، کبھی بستر پر لیٹی ہوتی۔ کبھی رات کو برآمدے کے ستون سے سر لگائے ٹوٹے ہوئے تاروں کو دیکھتی رہتی۔ ضمیر کی چیخ نے دن رات کا چین حرام کر دیا تھا اور ایک دفعہ نواب صاحب نے ہلا کر تسلی دی۔ بیگم صاحبہ سمجھ رہی تھیں کہ مباحث کی حرکت سے زیب پریشان ہے مگر زیب کو ان دنوں کسی اور کام کا خیال تھا۔ وہ تو چپ رہتی تھی۔

○

اف میں کیا کروں؟

یہ خط اس نے غزالہ کو نہیں سنایا۔ اسے کوئی دلچسپی بھی نہیں تھی۔ وہ تو گزریوں کے کھیل میں مصروف رہتی۔ خط کا ایک ایک لفظ پار میں ڈوبا ہوا تھا۔ محبت سے بیگا ہوا تھا۔ کبھی وہ پڑھ کر رو دیتی اور کبھی بیٹھی دھڑکنیں ہونے لگتیں۔ کبھی دل چاہتا کہ جواب دے دو اور کبھی وہ کنارہ کش ہونے کا سوچتی مگر کچھ بھی نہ کر سکتی۔ صبح سے شام ہوئی، شام سے رات ہو گئی۔ بستر اسے چبھنے لگا۔ انکاروں پر لوٹنے لگی۔ بساری اٹھی جواب لکھنے کے لیے بستر پر بیٹھی، قلم اٹھایا پھر چھوڑ دیا۔ بستر پر اٹھ لی۔ عادل کی آواز کان چرنے لگی۔

تم نے کبھی جواب میں تاخیر کی تو ... تو میری سانس رک جائے گی۔ کیا کروں میں۔ کیا کروں ... وہ بے بس ہو گئی اور لکھنے لگی۔

عادل۔

آج دل بے حد اداس ہے۔ آپ کے خط جانے مجھے کہاں لے جاتے ہیں۔ انسان خواب بھی تو دیکھتا ہے اور خواب کی تعبیر غلط ہو سکتی ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے کہ جیسے خواب ہی دیکھ رہی ہوں۔ حقیقت جانے کیا ہو گی۔ آپ کے اور میرے راستے کون جانے الگ ہو جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا؟ کبھی آپ کو مجھ پر غصہ آئے تو خدا را معاف کر دیجئے گا۔ میں مجبور تھی، مجبور ہوں اور مجبور رہوں گی۔ اس کا مجھے اعتراف ہے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ دل سے۔ آپ کے بغیر میری زندگی نامکمل ہے۔ مگر دل ہے نا، کبھی کبھی ہلک جاتا ہے۔ سمجھانے سے سمجھتا نہیں۔ میں نے بار بار اپنے آپ کو روکا ہے مگر کامیاب نہیں ہو سکی۔ آپ کو کچھ برا لگے تو معاف فرمائیے گا۔ میں بچی ہوں۔ دیوانی ہوں۔ یہی سمجھ کر معاف فرمائیے گا۔

میں آپ کو اپنی زبان سے بتا نہیں سکتی کہ میں نے کیا

آج کل مس زیب جانے کہاں رہتی ہیں۔ مس شاد بولی۔
ہاں بہت کھوٹی کھوٹی سی ہیں۔ مس سعیدہ اپنا چشمہ صاف کرتے ہوئے بولی۔
نہیں تو، بالکل نہیں۔ آپ لوگوں کو وہم ہو گیا ہے۔ زیب ہفت منٹانے کے
لے جلدی سے بولی۔

اچھا، یقین کیے لیتے ہیں۔ مس شاد نے کہا۔
مگر میں تو ڈرامے کا پوچھ رہی تھی۔ سعیدہ نے کہا۔
تمہارے گھر کا ڈرامہ اچھا نہیں رہے گا۔ زیب بات بدلنے کی غرض سے
کہنے لگی۔

کیسا ڈرامہ؟ مس جمال نے کہا۔
مس سعیدہ کا خاندان نورالہی صاحب کیا کسی ہیرو سے کم ہیں اور یہ خود
ہیروئن دی گریت ہیں۔

اور وہ تین... مس جمال ہنس کر بولی۔
ارے ہاں وہ بھی مٹی تین بیچیاں۔ وہ بھی تو کوئی پارٹ کریں۔ مس شاد
نے کہا۔

واقعی میرا ڈرامہ تو بڑا دلچسپ ہو گا۔ سعیدہ ہنس کر کہنے لگی۔
اچھا اب تم اپنے میاں کی تقریضیں شروع نہ کرو۔ مس جمال نے کہا۔
اچھا تو مس زیب سنجیدگی سے بتائے گا۔
کچھ کر لوں گی۔ زیب نے بات ٹالی۔

یہ نہ ہو کہ آخری لمحوں میں کچھ بھی نہ ہو۔ آپ ابھی سے تیاری کروائیں
گا۔ کچھ دن تو رہ گئے ہیں۔

اچھا، کل سے کوئی ڈرامہ شروع کرا دوں گی۔ زیب نے بات ختم کی۔
تل ہو گئی تو سب اپنی اپنی کلاسز کی طرف چل دیں۔
جب پچھٹی ہوئی تو وہ فیروزہ کے ساتھ بس شاپ کی طرف آئی۔ راستے میں
فیروزہ نے کہا۔

آج ہیڈ مسٹرس کہہ رہی تھیں کہ مس زیب آج کل پوری توجہ کلاس پر



سکول کل گئے تھے۔ زیب ڈیوٹی پر جانے لگی تھی اور سکول جانے سے
قدرے اسے سکون محسوس ہوا تھا۔ زیادہ سے زیادہ وقت وہیں صرف کرتی۔
لائبریری میں بیٹھی پڑھتی رہتی۔ کبھی فیروزہ کے ساتھ کہیں چلی جاتی۔ فیروزہ نے
کئی بار پوچھا کہ کیوں پریشان ہے مگر اسے بھی کچھ نہ بتا سکی۔ دوسری ٹیچرز اکثر
اس کے متعلق چہ بیگوئیاں کرتیں۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ کچھ ہو گیا ہے۔ کوئی
معاشقہ چل گیا ہے شاید۔ اسی لیے وہ کم سم رہتی ہے۔ بات کچھ کو، جواب کچھ
دیتی ہے مگر اصلیت کوئی بھی نہ جان سکا۔

عادل کو خط لکھے ایک ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ نہ اس کا کوئی جواب آیا تھا نہ
کوئی اطلاع۔ عادل کی عجیب سی محبت اس کے دل میں پکیاں ضرور لیتی۔ مگر
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کافی حد تک اسے بھولنے کی کوشش میں کامیاب
دکھائی دیتی۔ اس پر کسی حد تک وہ مطمئن بھی تھی۔

سکول میں کوئی ہفتیشن تھا۔ وہ سب ٹیچروں کے ساتھ اس کی تیاری کے
متعلق باتیں کر رہی تھی۔ کسی نے کہا۔
یہ کیڑا تو لندن سے آیا ہے۔

زیب چونک پڑی اور پھر جو بات وہ کر رہی تھی اسے مطلق بھول گئی۔
مس زیب، تو آپ نے کس ڈرامے کی تیاری کی ہے؟ دہلی تہلی مس قوم
نے پوچھا۔

جی، جی مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟ زیب پریشان ہو کر بولی۔

اسے لو، بس یہ تو پہنچ گئیں۔ مس قوم ہنس کر بولی۔

صرف نہیں کرتی۔

اچھا۔ زیب اور پریشان ہو گئی۔

ہاں میں تو تمہیں یہی مشورہ دوں گی کہ تم ذرا اپنے آپ کو سنبھالو۔ آخر تمہیں کیا ہے؟

کچھ نہیں فوڑی، کچھ بھی تو نہیں۔

پھر تمہارا ذہن آج کل اپ سیٹ کیوں ہے؟

انسان ہوں، کچھ حالات ایسے بھی ہوتے ہیں۔ تم جانتی ہو کہ مباحث کی وجہ سے میں نے اپنا گھر چھوڑ دیا۔ کسی کے گھر میں سکون مل سکتا ہے کیا۔ وہ گویا پھٹ پڑی۔

تو یہ بات ہے۔

اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ اسی وجہ سے میں پریشان ہوں۔

ایک بات کون زیب؟

کو۔

تم ہو مثل میں آ جاؤ۔ یہاں ہر طرح کا آرام تمہیں ملے گا۔

کتنی دربداری ہے میری قسمت میں۔ زیب کی آنکھیں بھر آئیں۔ ہو مثل

اچھا ہے؟

ہاں۔

سوچوں گی اور پھر تمہیں بتاؤں گی۔

بس آگئی۔ بس میں بھی یہی باتیں ہوتی رہیں۔ زیب جب حویلی آئی تو آیتے ہی زلفن ملی۔ کہنے لگی۔

تمہارا کھانا تمہارے کمرے میں لے آتی ہوں۔ مہمان آئے ہیں۔

اچھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر بیٹھی ہی تھی کہ زلفن کھانا لے آئی۔

کون مہمان ہیں؟ زیب نے پوچھا۔

عادل میاں لندن سے اچانک واپس آ گئے ہیں۔ زلفن نے گویا تیر مار دیا۔

نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔

کیوں، کیا کچ ہے؟

ہاں بیٹی، کچھ دیر پہلے تو آئے ہیں۔ جہاز سے اتر کر سیدھا میس آ گئے ہیں۔ دشمنوں کو وہاں کی ہوا راس نہیں آئی۔ پیار ہو گئے تھے۔ بڑے کمزور معلوم ہو رہے ہیں۔ زلفن باتیں کر رہی تھی اور ایک ایک بات زیب کے دل میں گویا نشتر چھو رہی تھی۔

اس سے کچھ کھایا بھی نہ گیا۔ یونہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

کچھ کھایا نہیں تم نے۔ زلفن برتن سینٹے ہوئے بولی۔

بھوک نہیں۔ کہتے ہوئے وہ غزالہ کے کمرے میں آئی۔ وہ بیٹھی ہوئی تصویریں دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

میں نے سنا ہے۔ زیب بچھے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔

ہاں، ٹھیک سنا ہے۔ وہ آج ہی تو آئے ہیں۔ امی حضور فرماتی ہیں کہ وہاں لن کا دل نہیں لگا۔ سیدھا میس آئے ہیں۔ وہ شرابے ہوئے بہت اچھی لگ رہی تھی۔

اچھا۔ وہ چپ سی بیٹھ گئی تو غزالہ کہنے لگی۔

تم پھر اداس ہو۔

نہیں تو۔ وہ ہنسنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ زیب، ہنسنا ہی بھول گئی ہو تم۔ ہم کہتے تھے ہمارے گھر آ کر تم خوش رہو گی مگر تم تو اپنے گھر ہی اچھی تھیں۔ کم از کم بولنی بہت تو تھی نا۔ غزالہ نے کہا۔

تمہارا دہم ہے۔ دراصل آج کل سکول میں کام زیادہ ہے۔

تو مت کرو تو کری۔

تو کری تو کرنی ضروری ہے میرے لیے۔

کتنی تنخواہ ملتی ہے؟ غزالہ نے پوچھا۔

دو سو روپے۔

ہم حاضر سے لے کر دے دیا کریں گے۔ تم تو کری مت کرو۔

زیب ہنس پڑی اور بولی۔
پہلے کیا کم احسان ہیں تمہارے۔
وہ بھی ہاتھ کر رہی تھیں کہ سنبل آئی اور ہنسنے ہوئے بولی۔

تو اب صاحب نے پیغام دیا ہے۔
کیا پیغام؟ زیب نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔
کہہ رہے ہیں صاحبزادی سے جا کر کہو کہ ہم سے کیا قصور ہوا تھا جو اجنبی

بڑی سزا دی۔
کیسی سزا؟ غزالہ حیران ہو کر بولی۔
کہہ رہے تھے کہ ہم تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اسی لیے چلے آئے ہیں کہ
خدا غواستہ جانے کیا بات ہو گئی۔

مگر کیوں؟ غزالہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔
ارے تم گئے غلط جگہ نہیں لکھا اتنے عرصے میں۔ زیب جلدی سے بولی۔
تم لکھ دیجیے نا، ہمیں کوئی لکھنا آتا ہے؟ غزالہ نے کہا۔
زیب خاموش ہو گئی تو سنبل بولی۔

وہ تو بہت پریشان ہیں۔ کیا کون جا کر؟
کہہ دو۔ یونی سٹانے کو جی چاہا تھا اور اچھا ہوا کہ آپ تشریف لے آئے
ہیں ورنہ آپ توڑی آتے۔ جانے کتنی مدت لگ جاتی۔ غزالہ نے زیب کے
کتنے سے پہلے کہہ دیا۔ وہ چپ کی چپ رہ گئی۔ سنبل چلی گئی تو غزالہ نے کہا۔

ہائے ہائے، کتنے ہیں چھوڑ چھاڑ کر چلے آئے ہیں۔ ایسی بھی بھلا کیا ہے
میری؟
اب تو تمہاری شادی بھی جلدی ہو جائے گی۔ زیب کی آواز میں درد کی
آہیرش تھی۔

وہ ہنس پڑی۔ چہرہ گنار ہو گیا۔ توڑی چڑ بھد سنبل آئی تو غزالہ جلدی
سے بولی۔
کیا کہہ رہے تھے؟

○

کہہ رہے تھے کہ آپ نے ہمیں بہت بڑی سزا دی۔ اب آپ کی سزا یہ ہو
گی کہ اسی ماہ ہم آپ کو لے جائیں گے اور خوب ماریں گے آپ کو۔
ہائے اللہ تو بہ۔ غزالہ ہنس پڑی۔
اور کیا کہہ رہے تھے۔

کہہ رہے تھے میں تو ڈر گیا تھا۔ یہ راستہ جانے کیسے گزرا ہے۔ اب جان
میں جان آئی ہے۔
بڑے وہ ہیں۔ غزالہ شرمائی۔

اور کہہ رہے تھے ہم آپ کے لیے بہت سی سفید سفید چیزیں لائے ہیں۔
اے لو، وہ کون پنہ گا۔ سفید رنگ سے تو ہمیں وحشت ہوتی ہے۔ ان
سے کہہ دینا کہ ہمیں یہ رنگ بالکل اچھا نہیں لگتا۔

نہیں نہیں، یہ نہ کھانا، بعد میں خود ہی کہہ دینا۔ زیب درمیان میں بولی۔
دیکھو نا، سفید رنگ بھی کوئی رنگ ہے۔ غزالہ ناک سکڑ کر بولی۔
اور صاحبزادی، کہہ رہے تھے کہ ہم صبح ہی جا کر ابا حضور کو بھیجیں گے کہ
وہ شادی کی تاریخ مقرر کر جائیں۔ ہم تمہاری صاحبزادی کو خوب ماریں گے۔

غزالہ ہنس پڑی مگر زیب کے چہرے پر پرہول سمجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ اس
کا دل نہ چاہا کہ یہ باتیں سنے۔ چپ چاپ اپنے کمرے میں چلی آئی۔
دل چاہا کہ پیچ پیچ کر روئے۔ بہتر پریٹ گئی۔

زلفن اس کا سر دبانے لگی اور وہ خواہ خواہ ہی رو دی۔ زلفن سمجھی کہ ماں
باپ یاد آ گئے۔ وہ بھی آنسو بہانے لگی مگر زیب کا درد کوئی کیا سمجھے۔
وہ سسکتے لگی۔

ہوں، بڑا اچھا دھندہ ہے۔ مس مہ جنیں نے کہا۔

فیس جو ملا کرے گی وہ ہم لوگوں میں بانٹ دی جائے گی۔ مس تقوم اپنی لمبی گردن اٹھا کر بولی۔

دیسے چلے گا خوب۔ مس جواہر نے کہا۔

مگر فیس کا سسٹم کیا ہو گا۔ سیدہ لپ سنک سے رنگے ہوئے ہونٹوں پر پٹل نکا کر بولی۔



کنوارے سے سو روپے فیس لی جائے گی اور رشتہ بھی کنواری کا ہو گا۔ جس کی بیوی مرنچلی ہو گی اس سے ڈیڑھ سو روپے اور جس نے بیوی کو طلاق دی ہو اسی سے دو سو روپے۔ شاد اگلیوں پر حساب کرتے ہوئے بولی۔

اور عورتوں کے حلق کیا ارشاد ہے؟ مس مہ جنیں نے کہا۔ عورتیں، اگر بیوہ عورت ہو تو سو روپے، کنواری ہو تو پچاس روپے، بڑھیا ہو تو تین سو روپے۔

یہ بڑھیا سے تین سو روپے کیوں؟ سیدہ نے پوچھا۔ بوڑھا مرد تو کہتا ہے شادی کسی نہ کسی طرح لیکن بڑھیا، توبہ کرو۔ سب زور سے ہنس پڑیں۔

دیئے اللہ رحم کرے تھوڑے عرصے بعد آپ بھی انہیں میں شمار ہوں گی۔ مس جواہر آہستہ سے بولی۔

کیا کہا؟ مس شاد پچلی۔

اور کیا؟ سچ تو کہتی ہے۔ کچھ عرصے بعد ہم سب لوگ بوڑھے ہو جائیں گے۔ پھر تین سو روپے والا معاملہ ہو گا۔ مہ جنیں نے جواہر کا ساتھ دیا۔

ہاں، یہ بات تو ہے۔ یہ لہجہ خاص کر یہ لہجہ اسی آس میں عمر گنوا دیتی ہیں کہ کب کسی بیجر کا رشتہ آئے۔ دوسرے تیرے تو ان کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عمر ڈھل جاتی ہے اور آخر میں کوئی شادی شدہ ملتا ہے یا پھر بابا بے چارہ تو ہے ہی۔ سیدہ نے ایک سانس میں اتنی ساری باتیں کہہ دیں۔

عادل جا چکے تھے۔ غزالہ کا رنگ گلابی ہوتا جا رہا تھا اور زیب کے چہرے پر زردی کی تہہ چڑھتی جا رہی تھی۔ خاموش محبت... وہ اندر ہی اندر کھل رہی تھی۔ نہ کوئی ٹھنڈا تھانہ کوئی راز داں۔

وہ بہت سارا وقت سکول میں گزارتی۔ اب ایک بہانہ اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ ڈرائے کی ریپرسل۔ اکثر شام تک ڈرائے کی ریپرسل کرواتی رہتی۔

دوسرے روز سکول کا ٹکشن تھا۔ تمام سکول کو لڑکیاں سچا رہی تھیں۔ ضلع کھنڈر آنے والا تھا۔ ہال کی بیشک اس کے سپرد تھی۔ شام تک وہ تھک چکی تھی۔ اکثر لہجہ دہیں پر تھیں۔ وہ میزمری پر چڑھی ہوئی صدر ایوب خان اور قائد اعظم کی تصویروں دیوار پر لگا دی تھی کہ فیروزہ آگئی۔

زیب۔ اس نے پکارا۔

ہوں۔ وہ مزے خیر بولی۔

آؤ، چائے پی لو، تمام لہجہ کو تمہارا انتظار ہے۔ چائے محض ہی ہو رہی ہے۔

اچھا، یہ تصویر لگ گئی ہے۔ بس ایک کیل اور لگا لوں۔ پھر چلتی ہوں۔

دونوں شاف روم میں آئیں تو قہقہوں کا طوفان آیا ہوا تھا۔ کس بات پر

ہنس رہی ہو قوم کی معمار۔ فیروزہ ہنسنے ہوئے بولی۔

یونہی ایک لطیفہ سنایا ہے سیدہ نے۔

سیدہ تو لطیفوں سے بنی ہوئی ہے۔ زیب نے کہا۔

مس شاد شادی کا دفتر کھول رہی ہے۔ جواہر نے کہا۔

تو پھر۔ اسے پکڑ سا آگیا۔

ہو آیا۔۔۔ نواب صاحب ان کا کتنا ٹال توڑی سکتے تھے۔ ہمارے ہاں تو تیاری مکمل ہے۔ نواب صاحب نے اسی ماہ کی دس تاریخ مقرر کر دی ہے۔ جی۔ وہ چھ بہت دور سے بول رہی تھی۔

تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ تم سکول سے چھٹیاں لے لو۔ غزالہ کو اکیلا نہ چھوڑا کر۔ یہ دن کتنا پر بھاری ہوتے ہیں۔ باہر کی چیزوں کا پھیرا رہتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ڈر جائے۔ ہم نے جنہیں اسی لیے بلایا ہے۔ شادی کو دن کون سے رہ گئے ہیں۔ پانچ تاریخ ہے نا آج۔ یہ سوئے انگریزی بیٹے کے نام تو ہمیں آتے ہی نہیں۔ خیر ہمارے حساب سے پانچ دن رہ گئے ہیں۔ ابھی جوڑے ٹانگتے ہیں اور ڈیڑھ سو جوڑا ہے۔ باقی چیز بھی جمانا ہے۔ ہاں تو تم چھٹیاں لے لو۔ جی اچھا ضرور لے لوں گی۔ وہ سر جھکا کر بولی۔

ہاں بیٹی، نواب جی جاکر بہت بڑے آدمی ہیں۔ ان کے ہاں کس چیز کی کمی ہے بھلا۔ مگر ہم نے بھی کس نہیں چھوڑی۔ بڑھ چڑھ کر جیڑنا ہے۔ آخر کو شجرہ تو ایک ہے نا۔ آج فرنیچر کا سامان بھی آگیا ہے۔ تمام چدن کی لکڑی کا بنا ہے۔ سگ مرمر کا بھی کام کیا ہے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ بیگم صاحبہ خود ہی نہیں پڑیں۔

اب تو ہمارے ہاں شادی کے وہ رسم و رواج ہی نہیں جو پہلے ہوا کرتے تھے۔ بیگم صاحبہ کی باتیں بیشبہ سے لگی ہوئی تھیں۔ وہ باتوں کا رخ ایک دم پلٹ دیتیں۔ اس وقت بھی وہ ایک مشرق کی کہہ رہی تھیں تو دوسری مغرب کی۔ زیب گم سم ان کی اوٹ ہانگ باتیں سن رہی تھی۔ بیگم صاحبہ اپنی شادی کا قصہ لے بیٹھیں۔ کہنے لگیں۔

ہماری شادی کے موقع پر ایک ماہ پہلے ڈھولک بستی شروع ہوئی تھی۔ کئی رات بکے ہوئے تھے۔ اور نواب صاحب کے ہاں تو ایک مہینہ پہلے سے مجرا ہوا کرتا۔ ہر رات شہر کی چوٹی کی طوائفیں بلوائی باتیں اور تمام قصبے میں چراغاں ہوا کرتا۔ ہمارے تو پر بھی دیکھ نہ پاتا تھا۔ مائیں بیٹھے تھے تو ہماری اماں حضور خدا

تم تو کوگی ہو، تم نے جو ایک فرنیچر والا مار لیا۔ شاد نے کہا۔

اچھا، اب یہ ہاؤس کل کے لیے کچھ ہوا کہ نہیں۔ فیروزہ نے پوچھا۔
ہاں ہاں، سب ہو گیا ہے۔ تم یور نہ کرو۔ بڑا اچھا ٹاپک ہے۔ مس قیوم بولی۔

تو بہ خدایا، تم کو ان باتوں کے سوا اور کوئی بات بھی آتی ہے؟ زیب ہنس کر بولی۔

ہاں بی، تم تو رہتی ہو خیالوں کی دنیا میں اور ہم رہتے ہیں حقیقت کی دنیا میں۔ جواہر کی بات پر سب ہنس پڑیں۔

شام ہو چلی تھی۔ سب ہی اپنے اپنے گھروں کی طرف چل دیں۔ فیروزہ اور زیب نے بھی چھٹی لے لی۔

جب زیب حویلی آئی تو رات ہو گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ بیگم صاحبہ دو مرتبہ بلوا چکی ہیں۔ وہ کپڑے بدل کر بیگم صاحبہ کے پاس آئی تو دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھی زگرے سے پاؤں دبا رہی ہیں۔ زیب کو دیکھ کر اٹھ بیٹھیں اور کہنے لگیں۔ بہت دیر ہو گئی بیٹی، آج کیا بات تھی۔

جی وہ سکول میں ڈرامہ ہو رہا ہے۔ اس کی ریہرسل تھی۔ اے ہے، یہ گھوڑے ڈرامے ہی تو لڑیوں کو خراب کرتے ہیں۔ تم کیوں نہیں منع کرتی۔ ماشائیاں خود سکھاتی ہیں تو بچپن کا کیا قصور؟ ڈرامے سے کچھ نہیں ہوتا۔ زیب آہستہ سے بولی۔

اے کیوں نہیں ہوتا۔ بھلا بچپن کو میاں بیوی بنایا جانا کوئی اچھا ہے۔ بیگم صاحبہ ہانک سکوڑ کر بولیں۔

زیب نے زیادہ بحث مناسب نہیں سمجھی۔ چپکلی بیٹھی رہی۔ بیگم صاحبہ اپنا پیکر ختم کر چکیں تو کہنے لگیں۔۔۔

بیٹی، وہ آج نواب جی گھر آئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ لڑکے کو نہ جانے کیا ہوا کہ واپس آگیا ہے اور شادی کے لیے کہہ رہا ہے۔ اس لیے آپ لوگ جلد از جلد تاریخ مقرر کر دیں۔

کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، دو مغلانیاں اور ہماری کئی بھولیاں ہر وقت ہمارے ساتھ ہوتیں۔ وہ کھانے پکتنے کہ توہ۔

زیب خاموش بیٹھی تھی۔ بیگم صاحبہ نے ایک ہینڈرا ہلا۔

ہاں تو زیب، غزالہ کے سرال میں اس کے ساتھ میں ہمیں اور بڑی بی کو بھیج رہی ہوں۔ دو کنیریں سنبل اور صنوبر تو اس کے جیز میں دی جا رہی ہیں۔ جی بھگے؟ وہ چونک گئی۔

ہاں، تم اس کے ساتھ جانا اور پھر جب وہ یہاں آئے گی تو اس کے ساتھ ہی آنا۔ اس کے بعد ہمارا مرضی۔

جی، میں تو شاکو نہ جاسکوں۔

ہمیں جانا ہو گا۔ تم سمجھ دار ہو اور وہ غزالہ ہمیں بے حد چاہتی ہے۔ اس کا جی ہلا رہے گا۔ چند دن کی تو بات ہے پھر واپس آ جانا۔

وہ خاموش ہو گئی مگر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ہرگز نہ جائے گی۔ وہ تو بچ رہی تھی بلکہ ابھی تو کوشش یہی تھی کہ وہ شادی میں بھی نہ شریک ہو اور بیگم صاحبہ ایک اور ذمہ داری اس کو سونپ رہی تھیں۔

جاؤ زیب، آرام کرو اور دیکھنا چٹیاں ضرور لے لینا۔

جی بہت بہتر۔ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

غزالہ وہیں آ گئی۔ اس نے بھی وہی باتیں چھیڑیں جن سے وہ بچنا چاہتی تھی۔ وہ سر میں درد کا ہمانہ کر کے اکیلی لیٹ گئی اور محبت کا گھلا گھونٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

○



ڈرامہ بڑے زور و شور سے ہوا۔ بہت سے لوگوں نے شرکت کی۔ ٹکٹن کے بعد زیب نے چھٹی کی درخواست دی۔ جب وہ ہیڈ ماسٹر کے آفس سے باہر نکل رہی تھی تو اسے فیروزہ ملی۔ گھٹنے لگی۔

کیا بات ہے بڑی چٹیاں لے رہی ہو تم؟

غزالہ کی شادی ہے۔

ہمیں غزالہ کی شادی سے کیا؟

تم نہیں جانتی فوڈی، غزالہ کے خاندان کے بچے پر بڑے احسان ہیں۔ بیگم صاحبہ کا کما میں ٹال نہیں سکتی۔

اوند نہ رہنے دو۔ ہمیں پہلے بھی کما تھا کہ ہوٹل چلی آؤ۔ اپنی آزاد گوشتی نہ کوئی گلہ نہ کوئی غم۔

غزالہ کی شادی کے بعد ہوٹل آ جاؤں گی۔ اب اگر آؤ تو بیگم صاحبہ کیسے گی کہ کام کی وجہ سے بھاگ گئی۔

کتنے دن کی چھٹی لی ہے؟

بیس دن کی۔

کمال کرتی ہو تم بھی۔ ہم کیا جیک ماریں گے یہاں۔

کیوں، مس شاد، مس قیوم، مس جواہر، مس جبین، مسیدہ اور دوسری بہت

ساری...

جی تو سبھی لیکن زیب تو نہیں۔ فیروزہ ہنس پڑی۔

اسے پتہ چلا تو خسرو اس کے چہیت میں درد ہو گا۔ زیب نے کہا۔
ہاں کسی کی معنی، شادی کی خبر اس کی صحت کے لیے بڑی ضرر ہے۔ مس
قیوم بولی۔

واقعی دردہ پڑ جاتا ہے۔ فیروزہ بولی۔ کیوں ہے چاری کو بتا رہی ہو۔
ایک بات اور بتاؤں۔ سعیدہ بولی۔
ہاں ہاں بتاؤ، دس بتاؤ۔ زیب نے کہا۔
وہ مہ نہیں نے کل نکلوں کی فروخت کے لیے جواہر کے بھائی کو فون کیا۔
بے چاری پیسے لینے ہو رہی تھی۔
کیوں بھلا؟ زیب نے پوچھا۔

ڈر گئی۔ اس کی آواز سے ڈر گئی حالانکہ اور لوگوں سے پتار پتار باتیں کر
لتی ہے۔ فیروزہ بولی۔
یہ جواہر کی بچی نے اس کے رعب کی داستانیں سنا کر سب کو ڈرا دیا
ہے۔

مہ نہیں آگئی تو سب گھر کے لیے چل پڑیں۔
زیب جب حویلی پہنچی تو عجیب بھاگ دوڑ پٹی ہوئی تھی۔ کہیں پر جھنڈیاں
لگ رہی تھیں۔ کہیں ڈھولک بج رہی تھی۔ دور دراز کے ممان آرہے تھے۔
کوئی گاڑی بھی خالی نہ گزری۔ ہر نرین سے ممان آرہے تھے۔ عجیب چل پل
تھی۔ گھر ممانوں سے بھرتا جا رہا تھا۔ زیب خاموشی سے اپنے کمرے میں آگئی۔
زلزلن اسے دیکھ کر اس کے پیچھے ہی چلی آئی۔
چائے لاؤں؟

تیار ہے کیا؟ زیب بولی۔
ہاں، لاتی ہوں۔ آج تو بہت ممان آئے ہیں۔
شادی جو ہوئی۔ اس نے پیکی سی فسی کے ساتھ کہا۔ غزالہ کہاں ہے؟
اپنے کمرے میں۔ صبح مائیوں جو بخار رہے ہیں۔ سب کے پیلے جوڑے سل
رہے ہیں۔ غزالہ کا بہت جیتی جوڑا سلا ہے۔

میں تمہاری شکر گزار ہوں فوزی کہ تم مجھے اتنی اہمیت دیتی ہو ورنہ میں
اپنی حقیقت جانتی ہوں۔ زیب کی آواز بھرا گئی۔
گلی اب اوٹ پانگ پکنے۔ خاموش رہو۔

دونوں تک شاپ پر آئیں۔ جواہر، سعیدہ اور قیوم سیون اپ لیے بیٹھیں
تھیں۔ یہ بھی دھیں جا بیٹھیں۔
گھر نہیں چل رہیں۔ زیب نے پوچھا۔
ڈرائے نے تھکا دیا ہے۔ سعیدہ کہنے لگی۔
ہاں واقعی نکشن تو ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ صبح سے جو بھاگ دوڑ شروع
ہو جاتی ہے۔

جواہر ایک بات سنی ہے۔ فیروزہ بولی۔
ایک کیوں دو دو باتیں سنی ہیں۔ زیب بولی۔
کیا باتیں؟ جواہر نے ہنس کر کہا۔
ایک بات تو یہ کہ تمہارے بھائی صاحب جن کی شادی ہوئی تھی وہ ... وہ
یعنی تمہاری بھالی تمہارے خاندان میں اضافہ کرنے والی ہیں۔

ہاں جج ہے۔ جواہر نے کہا۔
مبارک ہو، اور مٹھائی لے آنا۔
اچھا دوسری بات؟ مس قیوم نے کہا۔
دوسری بات یہ کہ محترمہ جواہر صاحبہ کی معنی طے پا گئی ہے۔
جج؟ سب نے ایک ساتھ کہا۔

ہاں اور کیا، بڑی گھٹی ہے یہ۔ صرف مہ نہیں کو پتہ ہے باقی کسی کو نہیں۔
مس قیوم بولی۔

اس لیے چپا رہی تھی کہ کہیں مٹھائی نہ کھلائی پڑ جائے۔ سعیدہ بولی۔
وہ صاحب کیسے ہیں؟ مس قیوم نے پوچھا۔
خوبصورت ہیں، شریف ہیں اور، اور ہیں۔
چلو، ٹھیک ہے۔ مس شاد کو پتہ ہے؟ فیروزہ نے پوچھا۔

کب آئے گی بارات۔ زیب بچا کر سی ہوئی۔
پرسوں، کل مندی کی رات ہے تا۔

یہ مدت جانے کیسے گزرے گی۔ زیب نے کہا۔
ایسی بھی کیا جلدی ہے بچی، شادی ہے، رونق لگی ہے۔ غزالہ دو مرتبہ پوچھ
بیٹی ہے۔ جاؤ، کڑے بدل کر۔ لڑکیاں آئی ہیں۔ دل لگا رہے گا تمہارا۔
میں کچھ آرام کرنا چاہتی ہوں۔ تم جاؤ۔ مگر اسی لئے صبور آئی۔ کہنے لگی۔
آپ کو صاف جلدی یاد کر رہی ہیں۔
تم چلو، میں آتی ہوں۔

جب وہ غزالہ کے کمرے میں گئی تو وہاں صرف ایک لڑکی تھی جو غزالہ کی
رشتہ دار تھی۔ اسے دیکھ کر وہ بھی جلی گئی۔
یہاں بڑی خاموشی ہے۔ زیب نے پوچھا۔
امی حضور نے جوڑے ٹانگنے کے لیے بلایا ہے۔ سب وہیں گئی ہیں۔ تم آج
سارا دن باہر رہیں۔

وہ ڈرامہ تھا آج۔
ہو نہ، بھاڑ میں جائے۔ یہاں کے ڈرامے کم ہیں کیا۔
زیب ہنس پڑی۔

غزالہ نے دراز میں سے ایک جھوٹا سا پرچہ نکال کر زیب کو دیا اور کہنے
لگی۔

یہ انبوسوں نے اپنے خاص ملازم کے ذریعے بھجوایا ہے۔ صوبہ نے لا کر دیا
نہے۔ پڑھو تو ذرا کیا لکھا ہے۔

زیب نے دھڑکتے دل کے ساتھ پرچہ کھولا۔ القاب پر نظر پڑتے ہی وہ
کانپ گئی۔ لکھا تھا۔

جان تمنا۔

آج میں کتنا خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ایک

ایک لمحہ طویل ہوتا جا رہا ہے۔ کب یہ مدت ختم ہوگی۔ تم

تم چائے لاؤ۔ زیب کو اس کے ذکر سے وحشت ہونے لگی اور زلفن عجیب
سی نظروں سے نکلتے ہوئے باہر نکل گئی۔

اس کا دل کٹنے لگا۔ وہ اپنے آپ کو کونے لگی۔ کیا روگ لگا بیٹی ہے۔
اسی وقت باہر لاؤ بیٹیکر پر ایک نفعہ ابھرا۔

دل آوے نہ کہے تے رب کر کے
تے یاریاں دے دکھ بڑے نہیں
وہ تڑپ گئی۔ بڑی بی چائے لے آئی۔ اس نے لگاتار چار پیالے پی
ڈالے۔ بڑی بی حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر کہنے لگی۔

کیا آج بھوک زیادہ لگی ہے؟
نہیں تو، ذرا بھی بھوک نہیں۔ وہ چونک پڑی۔
پھر اتنی چائے؟

کیا ہوا؟ اسے جیسے کچھ پتہ ہی نہ تھا۔
تم نے چار پیالے چائے پی ڈالے ہیں۔
اچھا، مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔ وہ ہنس پڑی۔
سینہ جلاتی ہے چائے۔ بڑی بی نے درد سے کہا۔

زیب کا جی چاہا کہ وہ بڑی بی سے کہہ دے کہ چائے کہاں سینہ جلاتی ہے۔
سینہ تو محبت جلاتی ہے۔ محبت تو آگ لگا دیتی ہے۔ دھواں اٹھتا رہتا ہے اور پھر
سب کچھ راکھ ہو جاتا ہے۔

میرا خیال ہے بڑی بی کہ ہم غزالہ کی شادی کے بعد ہوسٹل چلے جائیں۔
کسی کے گھر میں اچھا نہیں لگتا رہنا۔ زیب نے کہا۔

ہاں بچی، میں یہی سوچ رہی تھی کہ تم اداس کیوں ہو۔ اپنی جھونپڑی میں جو
آرام ملتا ہے وہ ان محلوں میں نہیں۔ غزالہ کی شادی کے بعد چلے جائیں گے۔
ہوسٹل میں ہر طرح کا آرام ملتا ہے۔ زیب نے کہا۔

تم نے بالکل ٹھیک سوچا۔ یہاں سب کچھ موجود ہے لیکن دل ذرا بھر نہیں
لگتا۔

چھپ چھپ تمہاری آمد کی خوشی میں سہایا گیا ہے۔ تمام کائنات
بھی ہوئی ہے۔ سب لوگ خوش ہیں۔ دور دور سے دوست
آئے ہیں اور میری خوشیوں کا کہیں ٹھکانہ ہے۔ اندر جاتا
ہوں تو خاندان کی لڑکیاں گھیر لیتی ہیں۔ فراق ہوتا رہتا ہے۔
لوگ تمہارا نام لے لے کر چمپتے ہیں۔ وہ کیا جانتیں کہ میں
اس نام سے کن سوچوں میں ڈوب جاتا ہوں۔ میرے سامنے
لندن کی وہ شامیں آ جاتی ہیں جہاں پر میں تمہارے خط پڑھا
کر آتا تھا۔

اجھی غزالہ، وعدہ کرو کہ تم میرا روائتی دلبوں کی
طرح استقبال نہیں کرو گی۔ شرم و حیا تو مجھے پند ہے مگر میں
چاہتا ہوں کہ ہم اپنے وطن کی رات کو امرینا ڈالیں۔ جی بھر
کو باتیں کریں۔
کچھ اپنی کو، کچھ میری سنو۔

اور رات کی انتہا ہو جائے۔ ہے نا غزالہ۔

خدا حافظ

تمہارا اپنا عادل

زیب نے خط پڑھا۔ آنسو آنکھوں سے چل رہے تھے۔
ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہ مایوسی کی باتیں کسی ہیں۔ دیوانوں والی
باتیں ہیں۔ غزالہ بے پروائی سے بولی۔ کیا عجیب سی پند ہے۔ میں تو کبھی بھی
بات نہ کروں۔ ہمارے ہاں تو لڑکیاں دہلا سے سالوں سال بات نہیں کرتیں اور
سفید چیزیں رونمائی میں ... اللہ تو بہ، مجھے تو ہول آنے لگا ہے۔ زیب خدا کے
لے کوئی انہیں سمجھائے۔ سفید چیزوں پر تو باہر کی چیزوں کا سایہ ہوتا ہے۔
نہیں غزالہ، فکر مت کر۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ جو انہوں نے خط میں
کہا ہے وہی کرنا تم بھی۔

نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ وہ تو دیوانے ہیں۔ خواہ مخواہ امی حضور نے ایک

نے مجھے بہت ستایا ہے۔ سوچا آج ایک اور خط لکھ ڈالوں
عجیب بنا کر۔ پھر تو تم بیوی بن جاؤ گی، عجیب تو رہو گی نہیں
مگر اس وقت اور اس وقت میں بہت فرق ہو گا۔ اب تم
دور ہو اس وقت سامنے بیٹھی ہو گی۔

جب تمہارا آخری خط مجھے لندن میں ملا، یقین کرنا
میرے دل و دماغ میں اتنا اثر ہوا کہ اپنے آپ کو بھول
بیٹھا۔ یہ بھی بھول گیا کہ کس لیے یہاں آیا ہوں۔ کیا کروں
گا۔ بس فوراً واپسی کے انتظامات شروع کر دیے۔ دل میں
طرح طرح کے دوسے تھے کہ خدا جالے کیا ہو گیا۔ تم اس
قدر کیوں مایوس ہو۔ تمہارے اس اعتراف سے دل پر جو
روح پرور وقت گزرا بیان سے باہر ہے۔ تم مجھ سے محبت
کرتی ہو، کتنی ٹھنڈک ہے ان الفاظ میں، کتنی مٹاس ... میں
نے وہ تمام سفید چیزیں رکھ ڈالی ہیں۔ رونمائی کا تختہ دینے
کے لیے۔ غزالہ زندگی میں یہ لمحہ بھی آئے گا۔ اس کا تو
یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ تم نے مجھے کیوں دکھ دیا۔ بڑی
غراب ہو تم۔ میں بھی جہیں ستایا کروں گا۔ خوب سزا دوں
گا۔

غزالہ، تمہارے تمام خطوط میرے سامنے پڑے ہیں
اور تمہاری تحریر نے جو نقشہ تمہارا میرے سامنے کھینچا ہے
کاش تم اس سے کہیں اچھی ہو۔ تمہاری تحریر مجھے پند
ہے۔ مانو گی؟ بلکہ خواہش ہے کہ جب تم میری بیوی بن جاؤ
تب بھی کم از کم ایک خط مجھے ضرور لکھا کرنا۔ کھو گی؟
تم بھی کوئی کتنی عجیب خواہش ہے میری۔

پورا محل خوشیوں میں ڈوبا ہے۔ رات گئے تک آتش
بازی اور رقص و سرور کی محفلیں گرم رہتی ہیں۔ محل کا

پڑھے لکھے سے ہمارا رشتہ کر دیا۔ غزالہ بولی۔
 ارے اس میں فکر کی کیا بات ہے۔ اچھائی ٹھہرا۔
 دوسری لڑکیاں آئیں۔ ہنس مذاق ہونے لگا۔ مراشیں آکر گانے گئیں۔
 زیب رات گئے تک غزالہ کا خوف دور کرتی رہی۔ اچھی اچھی باتیں اسے
 سمجھاتی رہی۔ پھر آکر اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔



ہنگاموں میں تیزی آگئی تھی۔ مایوں کی رسم ختم ہوئی تو مندی لگائی جائے
 لگی۔ آتش بازی ہو رہی تھی۔ مندی کی سینیوں پر جھپٹا عٹھی ہو رہی تھی۔
 غزالہ کو مندی لگائی گئی۔ وہ منہ چھپائے بیٹھی تھی اور عورتیں اس کے سفید
 سفید ہاتھوں پر مندی لگا رہی تھیں۔ مراٹھنیں سچ رہی تھیں۔ تمام حویلی جگمگا
 رہی تھی۔ ڈھولک کی آواز سے کان پھٹ رہے تھے۔ لڑکیوں کے قہقہے گونج
 رہے تھے۔ بہت سارے لوگ کھڑے، بہت زیادہ۔ مگر زیب کو نے میں کھڑی اپنے
 آپ کو اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ یہ آوازیں اس کے کانوں کو چیر رہی تھیں۔ یہ
 ہنگامہ اسے اپنی محبت کا ماتم کرتا معلوم ہوتا تھا۔ وہ الگ کھڑی پھٹی پھٹی نگاہوں
 سے خوشی سے سرشار لوگوں کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ طرح طرح کی رسمیں ادا
 کی جا رہی تھیں۔ بڑی بیگم صاحبہ اپنا غرارہ سنبھالے کبھی ادھر کبھی ادھر، رنگا
 رنگ لباس، زرق برق چیزیں۔ اس نے اپنا سر تمام لیا۔ اسے یوں لگا جیسے
 اربابوں کی دنیا میں زلزلہ آگیا ہے۔ عمارتیں دھڑا دھڑا کر رہی ہیں۔ ہر طرف سچ
 دیکھا رہا ہے۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔ روشنیوں اور خوشیوں کے اس طوفان
 سے اپنے آپ کو بچاتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔ جہاں گھٹاؤپ اندھیرا تھا۔
 صبح برات آنے والی تھی۔ اس نے اس محبت کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا تھا۔ پھر
 'میری کوئی زندگی نہ رہے گی۔ چند خزاں آلود چڑھوں گے۔ زرد زرد پیلے پھول
 ہوں گے اور ان کے درمیان میں ایک صدیوں پرانی اور شکستہ قبر کی مانند بن
 جاؤں گی۔ نہ کوئی آواز ہوگی اور نہ کوئی ساز ہوگا' نہ کوئی نغمہ، نہ کوئی تار...

کوئی بات نہیں غزالہ، یونہی طبعیت گہرا رہی ہے۔
اچھا، ہم سمجھ گئے۔ غزالہ ہنسی۔
کیا؟

ہی کہ تم ہمارے جانے سے پریشان ہو رہی ہو، ہے نا۔
ہاں ہاں، اسی لیے... وہ بات نہ بنا سکی۔

زیب، ہم نے اے حضور سے کھلوا دیا ہے کہ زیب ہمارے ساتھ جائے گی۔
نہیں غزالہ، ایسا نہ کہو، میں بھلا تمہارے ساتھ کیونکر جا سکتی ہوں۔
وہ نہ، یہ نہیں ہو گا۔ تمہیں چلنا ہو گا۔ ورنہ میں روٹھ جاؤں گی۔
زیب خاموش ہو گئی۔

ہاؤ ہاؤ ناراضگی کا کچھ اثر ہوا یا نہیں۔ غزالہ نے پوچھا۔
میرا جانا کیا ضروری ہے؟ اس نے پھر کوشش کی۔
ضروری ہے یا نہیں، یہ ہم نہیں جانتے مگر تم نے چلنا ہے۔
تم کہتی ہو تو چلوں گی۔ وہ تو یہ وہ درو سے بولی۔
تم کہتی اچھی ہو۔ غزالہ نے کہا۔

تمہیں کیا معلوم کہ میں کتنی بری ہوں۔ زیب نے کہا۔
بہشت، ایسا نہیں کہتے۔ غزالہ نے اس کے کندھے پر ہندی رنگا ہاتھ رکھ
دیا۔ پھر کہنے لگی۔ رات تم نے ہندی نہیں لگائی۔ یہ سفید سفید ہاتھ اچھے نہیں
لگتے۔ لگا لو تا ہندی۔ اپنی سبکی شادی پر بھی نہیں لگاؤ گی؟
لگاؤں گی۔ زیب نے کہا۔

رات زیادہ ہو چکی تھی۔ غزالہ سو گئی تو زیب بھی اپنے کمرے میں آگئی۔
نہیں اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔



کچھ بھی نہیں۔ یہ زندگی کا الیہ ہو گا اور بس... میں نے بھی خواب دیکھے تھے
ایک خوبصورت گھر، اپنے تصور میں ایسے گھر کے نقوش ابھارے تھے۔ ایک گھر
کے بارے میں سوچا تھا اور ایک چوون سا مٹی... جو میرا سب کچھ ہو گا لیکن
خواب ابھی دیکھا تھا کہ ٹوٹ گیا۔ نقوش بننے سے پہلے ہی مٹ گئے۔ آج یہ
خوشیوں کا طوفان ہے، کون جانے میری حسرت کی دنیا انہیں گمراہیوں میں چھپ
رہی ہے۔ کیا کروں۔ بہت سمجھایا دل کو، بہت سوچا، سوچیں اپنی ہوتیں ہی کیا؟
ان پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ محبت اور پیار پر اختیار ہوتا ہے کبھی۔ غزالہ میری
سبیلی ہے۔ ایک طرف مجھے ندامت، شرمندگی اور ضمیر کی چیخیں پریشان کرتی ہے
اور دوسری طرف یہ عجیب سی محبت۔ احساس ندامت شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔
ضمیر ملامت کرتا ہے کہ میں کسی سبیلی ہوں۔ مگر میرا قصور بھی کیا ہے۔ میں خود
کچھ نہیں کر رہی، بس اداس ہوں۔ اس کی وجہ نہیں جانتی۔ یہ شہنائیاں پچھلے
ہوئے لاوے کی مانند میرے کانوں میں پڑ رہی ہیں۔ کیوں، میں نہیں جانتی۔ میں
کچھ نہیں جانتی۔

وہ اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں نیکی پر سر رکھے سسک پڑی۔ باہر فضا جھوم
رہی تھی۔ کافی دیر بعد جب وہ باہر نکلی تو مطمئن ہوا کہ نیچے شامیانے میں قوال
ایک چمے لباس میں بیٹھے تھے۔ قوالی ہونے لگی۔ لوگ جھوم رہے تھے۔ اس کا
دل دہاں بھی نہ لگا۔ غزالہ کے پاس آئی۔ غزالہ ہندی لگائے پچک پر بیٹھی تھی۔
کینیز پچکا جھل رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر غزالہ بولی۔
تم کہاں تھیں؟

یہیں تھی۔

نظر نہیں آئی۔

ہمت سے لوگ تھے تمہارے پاس۔ الگ کڑی تلاش دیکھ رہی تھی۔

تم نے کپڑے نہیں بدلے۔

یونہی، جی نہیں چاہا۔

تم کچھ پریشان ہو۔ کیا بات ہے۔ ہمیں ہاؤ۔ شاید میں کچھ کر سکوں۔

کے کھانے میں خاص خیال رکھتا۔ اپنے سامنے کھلوایا کرنا اور ہاورچی خانے میں
صویر کو جاسوسی کروانا۔ میری بچی بڑی بھولی ہے۔ وہ کچھ نہیں سمجھتی۔
جی بہت بہتر۔ زیب نے کہا۔

مہمان تو بہت آگئے ہیں۔ بڑے کمرے میں سرسرا والوں کا انتظام کرایا
ہے۔ بیگم صاحبہ نے اپنی عادت کے مطابق نیا موضوع نکالا۔
غزالہ کے سرسرا میں کون کون ہے۔ میرا مطلب عورتوں سے ہے۔ زیب
نے پوچھا۔

نواب جہانگیر کی دو بیویاں ہیں۔ ایک تو عادل کی والدہ ہیں اور دوسری
جہاں آرا کی ماں ہیں۔ دونوں بڑی اچھی ہیں۔ باقی محل نوکروں کتیزوں سے بھرا
پڑا ہے۔ نواب صاحب خود بڑے اچھے ہیں۔ تم جاؤ گی تو ویکہ لینا۔ انہوں نے تو
جنت بنایا ہے اپنے گھر کو۔ بیگم صاحبہ دوسرا ذکر نکالنا چاہتی تھیں کہ زلفن آگئی۔
کہنے لگی۔

برات آیا ہی چاہتی ہے۔

ہاں ہاں بیٹی، جا کر کپڑے پہن لو، اچھے کپڑے پہننا۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔
زیب زلفن کے ساتھ کمرے میں آئی تو اس نے آتھیں رنگ کا سوٹ نکالا
جس پر سنہری تاروں سے کام بنا ہوا تھا۔

تمہارے کپڑے نکال دیے ہیں، بچی پہن لو، کب پہنو گی؟

یہ نہیں پہنوں گی، زیب نے کہا۔

شادی بیاہ کے موقع پر ایسے ہی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں بدل
لینا اور تم نے غزالہ کے ساتھ جانا ہے۔ اچھے کپڑے پہن کر جانا۔ فی الحال تو یہ
پہن لو۔ زلفن نے کہا۔

اچھا، تم کہتی ہو تو پہن لیتی ہوں۔ مگر میرے سفید کپڑے نکال کر رکھنا۔
جاتے وقت وہی پہنوں گی۔

سفید لباس پہن کر سرسرا جاؤ گی غزالہ کے۔ زلفن نے نہ میں اٹھی دبا
لی۔



صبح سے تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہر ایک ج رہا تھا۔ برات آنے میں تھوڑی
دیر رہ گئی تھی۔ طرح طرح کے کھانے پک رہے تھے۔ کتیزیں بھی گوشت کناری
والے کپڑے پہنے ادھر سے ادھر بھاگ رہی تھیں۔
زیب کو بیگم صاحبہ نے بلایا اور کہنے لگیں۔

ارے، تم نے ابھی تک کپڑے نہیں بدلے۔ جا کپڑے بدل اور اپنا بکس
تیار کر لو۔ کپڑے وغیرہ رکھ لو۔ تم غزالہ کے ساتھ جاؤ گی۔

جی بہت بہتر۔

دیکھو بیٹی، ذرا خیال رکھنا۔ غزالہ ہماری لاڈلی بیٹی ہے۔ اس کا دل نہ
دکھے۔

جی۔ وہ کانپ گئی۔

ہاں، نئی جگہ دل نہیں لگتا۔ اس کا جی ہلا رہے گا ذرا۔ اس کا خیال
رکھنا۔ اسی لیے ہم تو تمہیں ساتھ بھیج رہے ہیں۔

جی بیگم صاحبہ، آپ ذرا بھی فکر نہ کریں۔ میری جان بھی غزالہ کے لیے
کام آگئی تو درج نہ کروں گی۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

جیتتی رہو بیٹی اور ہاں بیٹی یہ کتیزیں موٹی نوابوں کے بڑی سرخ می ہوتی
ہیں۔ ویسے تو عادل ایسے نہیں ہیں مگر کتیزوں کا کیا اعتبار۔ جلن میں کچھ کھلا پلا
دیں۔ نواب خن کی بیوی کو پہلے دن تعویذ پلا دیے تھے۔ خن بیک بیوی کو
دیکھتے بھی نہ تھے۔ ساری عمر عجمی کی بیوی گزر گئی۔ یہ بھی خیال کرنا اور غزالہ

آسانی بناری ساڑھی بڑی کھل رہی تھی۔ لباس کا بڑا سلیقہ تھا اسے۔

زیب ٹھنڈا سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر یونہی ہنگامے زوروں پر رہے۔ پھر غزالہ کو دلن بنایا جانے لگا۔ سنری زری کا لنگا سیٹ تھا۔ قیمتی زیورات تھے۔ غزالہ بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ پھولوں اور سنری تاروں کے سرے نے چار چاند لگا دیے۔ رخصتی کی تیاری ہونے لگی۔ کھانا کھلایا جانے لگا۔

جیز دکھایا جانے لگا۔ بری دکھائی گئی۔ جیز تو خیر قیمتی تھا ہی بری بھی بہت عمدہ تھی۔ بہروں کے سیٹ، زمرہ کے سیٹ، الماس کا سیٹ، نیلم کا سیٹ، فیروزہ کا سیٹ۔ کئی قسم کے زیورات تھے۔ اور کپڑے تو نہایت خوبصورت تھے۔ چار بچے تک یہی کہتے ہوئے رہا۔ پھر رخصتی کا شروع کیا۔ بیڑے الوداعی نغمے بجانے شروع کر دیے۔ ڈونیاں وداعی گیت گانے لگیں۔

نیلم صاحبہ غزالہ کے گلے لگ کر رو پڑیں۔ کنیزیں زیب کا بکس بھی سلمان میں رکھ آئیں۔ اس نے آئینیں کپڑے اتار کر سفید ساڑھی پہن لی تھی جس کا بارڈر سیاہ دھاگے سے بنا ہوا تھا۔ عجیب سی سوگوار تھی اس کے چہرے پر۔ غزالہ کی سسکیاں تیز ہو گئیں۔ نواب صاحب آئے۔ بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ آنکھیں چمک آئیں۔ صاحت نے بہن کو پھولوں کی گاڑی میں بٹھایا۔ زیب بھی اس کے ساتھ تھی۔ عادل دوسری کار میں تھا۔

کاروں کا جلوس کرن پور روانہ ہو گیا۔ دس میل پر تو تھا کرن پور۔ آتشیازی اور فائر کرتے ہوئے برات کرن پور پہنچی تو کرن پور کا سارا قصبہ جھہ نور بنا ہوا تھا۔ تمام قصبہ ج رہا تھا اور جگہ جگہ لوگ خوشی کا اظہار ڈھول بجا کر رہے تھے۔ محل کی صلاحت قائل دید تھی۔ زیب باہر دیکھ رہی تھی تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی شیشہ گزر رہا ہو۔ کار محل کے اندر چلی گئی۔ غزالہ کو رسوں اور صدمتے دے کر اتارا گیا۔ روپے پچھار کیے گئے۔ سچے ہوئے کمرے میں لا رہا گیا۔ مسند زار تاروں سے چمک رہی تھی۔ محل کے گاؤ گئے جن پر سنری کام بنا ہوا تھا۔ کمرہ بہت زیادہ خوبصورت تھا۔ بھشت کا نمونہ معلوم ہوتا تھا۔ زیب انجینی اجینی سی غزالہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

بحث نہ کرو، جو میں کہتی ہوں وہی کرو۔ کپڑے لے کر وہ غسل خانے میں چلی گئی۔

اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر جو نہی وہ کپڑے پہن کر بال بنانے لگی تو اس کا دل چاہا کہ پیچ پیچ کر روئے۔ اداس سا حسن چمک اٹھا۔ ایک دلفریبی اور دل کشی لیے ہوئے۔

باہر نکلی تو معلوم ہوا کہ برات آ رہی ہے۔ فضا میں بیڑے ہابے کے نغمے ابھر رہے تھے۔ ڈولتے اور دھڑکتے دل کے ساتھ چلنے کے ساتھ جا لگی۔ دو لہا کو اتارا گیا۔ سفید قیمتی شیردانی اور قیمتی پاجامے میں ریشمی صاف اور زرتار سرا۔ گلے میں سچے موتیوں کی مالا تھی۔ انیس پھولوں سے بنی مسند پر بٹھایا گیا۔ تمام براتی شاندار لباسوں میں ملبوس تھے۔ عورتیں اندر آئیں۔ اس قدر عورتیں تھیں جن میں یہ پہچانتا مشکل ہو گیا کہ عادل کی ماں کون سی ہے۔ اسے جتنو یہ تھی کہ دیکھے کہ عادل کی ماں کون سی ہے۔ تب اس نے غزالہ کی رشتے کی بہن سے پوچھا۔

غزالہ کی ماں کون سی ہے؟

وہ تو نہیں آئیں۔ تیار ہیں۔ انیس قلعج ہوا تھا۔ اسی کا اثر ہے۔ جہاں آرا کی امی آئی ہیں۔

وہ کون سی ہیں؟ زیب نے پوچھا۔

وہ سامنے نارنجی غراہہ فیض والی۔

زیب نے دیکھا وہ سلجھی ہوئی خاتون معلوم ہو رہی تھیں۔ چہرے پر بڑا وقار تھا۔ نیلم صاحبہ کے ساتھ بیٹھی تھیں۔

اور جہاں آرا کون سی ہیں؟ زیب نے پوچھا۔

نظر نہیں آ رہی، جانے کہاں ہے۔ غزالہ کی رشتے کی بہن نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور پھر کہنے لگی۔ وہ سامنے صوفے پر لڑکیوں کے درمیان آسانی بناری ساڑھی والی۔

جہاں آرا بڑی خوبصورت تھی۔ چہرے پر بھونپن تھا اور وہ بہن رہی تھی۔

آپ رہیں گی؟

کچھ دن، پھر مجھے ہو سنا جانا ہے۔

آپ کو جانے کون دے گا۔ میں آپ کو برابر والا کر دے رہی ہوں۔ اس کے ساتھ ہی میرا کرہ ہے۔ آپ اپنا گھر سمجھیں۔ اجنبیت مت محسوس کریں۔ اچھا ہوا مجھے ایک سماجی مل گیا۔ جہاں آرا نے کہا۔

بہت بہت شکریہ، مگر۔

فی الحال تو اگر مگر میں چلے گا۔ ابھی تو بہت سی رکس باقی ہیں۔ بڑے ہنگامے ہیں۔ بھائی جان تو غزالہ بھائی کو بے حد چاہتے ہیں۔ مجھ سے اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔

جی۔ زیب پریشان ہو گئی۔

ذکر کرنے سے انسان کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے دل میں کیا ہے۔ ہے

؟

جی ہاں بالکل۔ زیب کھوٹی کھوٹی سی بولی۔

میرے بھائی جان بہت ہی اچھے ہیں۔ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ کیا

مناؤں۔

ہوئی چاہئے اور آپ تو ہیں ہی اسی لائق۔

آپ نیچر ہیں؟

جی ہاں، آپ نے کہاں تک پڑھا ہے؟

میں نے اس سال لی اے کا امتحان دیا ہے۔ جہاں آرا بولی۔

ماشاء اللہ، زیب نے کہا۔

سوچتی ہوں کہ ایم اے کر لوں مگر اباحضور فرماتے ہیں کہ باہر جا کر تعلیم

حاصل کرنا اچھا نہیں۔

اپنا اپنا خیال ہے۔ زیب ہنسی۔

آئیے چائے پیئیں۔ صوبہ دو اور کینزوں کو بلا لو۔ ہم ابھی آتے ہیں۔ وہ

زیب کو لے کر باہر نکل آئی۔

دلہن کی نمائش ہونے لگی تو وہ قریب ہی بیٹھی رہی۔ زیب کو یوں اداس پا کر جہاں آرا اس کے قریب آئی۔ اب اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا اور فائنٹی رنگ کا سوٹ پہنا تھا جس پر فینچی زیور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کہنے لگی۔

آپ بہت تھک گئی ہوں گی۔ چلتے میں آپ کو آپ کا کرہ دکھا آؤں۔ کچھ آرام کریں۔

جی نہیں شکریہ، میرے خیال میں تو غزالہ تھک گئی ہوں گی۔ زیب ہنسی۔

جی ہاں، دلہن بننا بھی تو عذاب ہے۔ جہاں آرا خوش اخلاقی سے بولی۔

انہیں کچھ آرام کرنے دیں نا۔

جی ہاں، ساتھ والے کمرے میں لے چلتے ہیں۔ آئیے دلہن بھائی۔

جہاں آرا اور زیب غزالہ کو ساتھ والے کمرے میں لے گئیں اور پٹنگ پر لٹا کر کہنے لگیں۔

اب آرام کریں آپ۔

غزالہ شرم سے سمٹی پڑی تھی۔

دلہن بھائی، مجھ سے شرم کیسی؟ میں تو آپ کی بہن بھی ہوں۔ آرام کیجئے

تا۔

غزالہ مسکرا دی۔

وہ دونوں کرسی پر بیٹھ گئیں۔ جہاں آرا نے پوچھا۔

آپ کا نام زیب ہے نا؟

جی ہاں۔

صوبہ سے میں نے پوچھا تھا۔ اس نے آپ کے حعلق تھوڑی سی روشنی ڈالی تھی۔ عادل میرے بھائی ہیں۔

بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ زیب نے کہا۔

اور آپ سے مل کر کون خوش نہ ہو گا۔ مجھے تو اسی وقت سے بہت اچھی

لگ رہی ہیں۔ سوچ رہی تھی کہ کسی طرح آپ سے بات کروں۔

نوازش ہے آپ کی۔ زیب نے کہا۔

غزالہ کو نیند سی آ رہی تھی مگر حجاب مانع تھا۔ اس لیے وہ خاموش تھی۔
زیب کو جہاں آرا بڑی اچھی اور مجلس لگی تھی۔

جہاں آرا زیب کو اپنے کمرے میں لے آئی اور کینز سے کہہ دیا کہ وہ چائے لے آئے۔ جہاں آرا کا کمرہ ہلکے نیلے رنگ کا تھا۔ تمام چیزیں ایک ہی رنگ کی تھیں۔ ٹانگوں کے باریک نیلے پردے جن پر نیلی سائن کی جھار لگی ہوئی تھی۔ کمرے کے حسن میں اضافہ کر رہے تھے۔ اس کا بستر نیلی مٹل اور سائن سے بنا ہوا تھا۔ صوفوں پر اسی رنگ کے خوبصورت کیشن پڑے تھے۔ فرش پر نیلا ایرانی قالین بچھا تھا۔ نیلے ٹیبلٹان میں خوبصورت پھول تھے۔ اس کی مسری تو بے حد خوبصورت تھی جس کے اوپر نیلی ٹانگوں کا چھت جیسا بنایا گیا تھا۔ نرم و گداز کھٹے پڑے تھے۔

آپ کا کمرہ تو بہت خوبصورت ہے۔ زیب نے کہا۔

شکریہ۔ مگر بھائی جان کا کمرہ تو بہت خوبصورت ہے۔ ابھی آپ کو لے چلتی ہوں۔ انہیں سفید رنگ پسند ہے۔ تمام کمرہ سفید مٹل پر سیٹ کیا گیا ہے۔ غزالہ بھائی کے لیے بھی انہوں نے خود کمرے کی بیشک کروائی ہے۔

زیب کو سی گئی۔ کینز چائے اور دوسری بہت سی چیزیں لے آئیں۔ جہاں آرا نے چائے کی پیالی خود زیب کو دی اور مختلف اشیاء کی پٹلیں پیش کرنے لگی۔ زیب نے ایک بٹک لیا اور چائے کے دو پیالے پی ڈالے۔

جہاں آرا اپنی پیاری پیاری باتوں سے اس کا دل بھلاتی رہی۔ پھر وہ اسے عادل کے کمرے میں لے گئی۔ اس قدر سکون تھا وہاں، یہ زیب ہی جانتی تھی۔ نہایت قیمتی چیزیں تھیں۔ اول تو کمرہ بنا ہی سنگ مرمر سے تھا۔ ہاتھی دانت کا نہایت قیمتی فرنیچر اور اس پر سفید مٹل منڈھا ہوا تھا۔ سفید ہی بستر۔ سفید پھولوں کی کثرت تھی۔ میز پر سفید کاپیاں۔ میٹل پیس پر سفید پھول۔ وہ ہر چیز کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

جہاں آرا کہنے لگی۔

ہمارا محل بہت بڑا ہے۔ میں اور بھائی جان اس طرف رہتے ہیں۔ اس

طرف کینزوں کی دنیا آباد ہے۔ ہم دونوں کے لیے الگ بارہ دری ہے۔ الگ بارغ ہے۔ الگ نوکر ہیں۔ محل میں آپ کو ساری سیر کروا دیں گی۔ اپنے بارغ میں بھائی جان نے سفید پھول گوا رکھے ہیں۔ ہر ملک کے سفید پھول وہاں موجود ہیں۔ لاکھوں روپے خرچ کر کے بھائی جان نے اس کی بیشک کروائی ہے۔ دوسری طرف اباحضور کے کمرے ہیں۔ ان کا علیحدہ بارغ ہے۔ ان کی بارہ دری بڑی خوبصورت ہے۔ تمام شخص کام ہوا ہے۔ مثل خاندان کا معیار تھا۔ اس نے بنایا تھا۔ عمارتیں اتنی اونچی ہیں کہ ان کے اندر سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ اسی حضور کے کمرے علیحدہ ہیں۔ بڑی اماں جان الگ ہیں اور میں بیچ میں مشترکہ کمرے ہیں۔ یعنی جہاں ہم سب جا کر بیٹھے ہیں۔ ڈانگ ہال بھی وہیں ڈانگ روم بھی وہیں پر ہے۔ اسے سب لوگ استعمال کرتے ہیں۔

زیب کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ خواب میں سب کچھ دیکھ رہی ہو۔

وہ لائبریری ہے۔ اباحضور کو مطالعہ کا بڑا شوق ہے۔ دنیا بھر کی کتابیں وہاں موجود ہیں۔ بہت بڑی لائبریری ہے۔ ہماری اور محل کی خاص چیز تو آرٹ گیلری ہے۔ ہمارے تمام خاندان کی تصویریں پشت و پشت چلی آ رہی ہیں۔

جہاں آرا کا لہجہ نہایت میٹھا تھا۔ ذرا بھی غرور نہ تھا اس میں۔ عادل کا کمرہ دیکھنے کے بعد وہ وہیں آگئیں جہاں ہنگامے زوروں پر تھے۔ غزالہ کو دوبارہ مسند پر بٹھا دیا گیا تھا۔ طرح طرح کے قیمتی تحائف کا ڈھیر لگ گیا تھا۔ آنے والی بیگمات اپنے ساتھ قیمتی سے قیمتی تحفے لائی تھیں۔

کافی دیر تک نفہ و سازی مٹل لگی رہی۔ اس کے بعد کھانا شروع ہو گیا۔ نواب جاناگیر کے بیٹے کی شادی تھی۔ کوئی معمولی بات تو نہ تھی۔ تمام مہمان محفوظ ہو رہے تھے۔ کہیں پر کوئی کمال دکھایا جا رہا تھا۔ کہیں رقص و سرور کی مٹل گرم تھی۔ کہیں لوگوں نے مختلف سواگت بھرے تھے۔

اسی طرح رات زیادہ ہو گئی۔ غزالہ کا ازسرنو سنگار کیا گیا۔ اور وہ کمرہ جو خاص دولہا دلن کے لیے مقرر کیا گیا تھا دیکھنے کے لائق تھا۔ کمرہ کیا تھا جنت کا نمونہ تھا۔ بھیجی بھیجی خوشبو عجیب سماں پیدا کر رہی تھی۔ مسری پر شہری تاریں

لنگ رہی تھیں۔ روشنیاں اس طرح لگی تھیں کہ وہ دولہن کے کپڑوں کی مانند تھیں۔

غزالہ کو لے جا کر مسہری پر بٹھا دیا گیا۔ اس لمحے زیب کے چہرے پر عجیب سی عروسی کے آثار تھے۔ کچھ دیر وہ بیٹھی رہی پھر غزالہ سے خدا حافظ کہہ کر چلی آئی۔ جہاں آرا نے اسے اس کا کمرہ دکھا دیا۔ وہ اندھے منہ جا کر مسہری پر پڑی رہی۔

آج اس کی محبت کا جنازہ نکل گیا تھا۔ وہ سبک پڑی۔ اس نے چاہا کہ وہ آج ساری رات رو کر یہ غبارِ عیش کے لیے صاف کر دے گی۔

عادل ہزاروں تمنائیں لیے جب کمرہ میں داخل ہوا تو غزالہ کا سر اور بھی جھک گیا۔ اس کی نظروں میں بے پناہ پیار اور چاہت تھی۔ لیوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ تھی۔ کچھ لمحے مسہری پر بیٹھی غزالہ کو دیکھتے رہے۔ پھر قریب بیٹھ کر بولے۔

آداب عرض ہے جناب۔ وہ اور بھی سٹ گئی۔ عادل نے اس کا ستانی ہاتھ تھام لیا اور بولے۔

مجھے اس وقت کا یقین نہیں آ رہا غزالہ۔ تمہارے خط نے تو مجھے پریشان کر دیا تھا اور ایسا سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا کیوں غزالہ؟ وہ خاموش رہی۔

عادل نے مسکراتے ہوئے گھونگھٹ اٹھایا۔ غزالہ نے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔

آج کتنی مدت کے بعد تو یہ وقت آیا ہے کہ تم ملی ہو ... آج بھی چہرہ چھپا لو گی ہم سے۔ عادل ہنس کر بولے۔

وہ سٹ گئی تب عادل نے دونوں ہاتھ چہرے سے ہٹائے ہوئے کہا۔ دیکھو غزالہ، تم پڑھی لکھی ہو، عقلمند ہو۔ باتیں کرو، میں تمہارے منہ سے وہی باتیں سننے کے لیے بے قرار ہوں جو تم نے لکھی تھیں ہمیں۔ عادل نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اس کی ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے کہا۔

بشا اللہ، تم اپنی تحریر کی طرح خوبصورت ہو۔ غزالہ نے آنکھیں جھپکیں اور مسکرا کر سر جھکا لیا۔

کچھ کو غزالہ۔ وہ پھر بولے۔

جی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

کچھ بولونا عادل نے غزالہ کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔

وہ شرم سے دوہری ہو گئی۔ آہستہ سے بولی۔

بٹے، میں جناب آتا ہے۔

اور جو لندن میں لکھا تھا کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔ اعتراف ہے مجھے۔ اس وقت جناب نہ آیا تھا۔

وہ ہم نے ٹھوڑی لکھا تھا۔ غزالہ شرم سے ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔

کیا مطلب؟ عادل ہنسنے ہوئے بولے۔

خط ہم ٹھوڑی لکھتے تھے آپ کو۔ وہ آہستہ سے کہنے لگی۔

تو ... تو کون لکھتا تھا۔ عادل چونکے سے گئے۔

زیب۔ غزالہ نے کہا۔

تو ... تو تم پڑھی لکھی نہیں۔ وہ ہلکاتے ہوئے بولے۔

ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ ہمیں تو ایک لفظ بھی لکھنا نہیں آتا۔

تم اب بھی مذاق کر رہی ہو۔ عادل بولے۔

جی نہیں۔

نہیں نہیں، یہ مذاق ہے۔ ستانا تمہاری عادت بن گیا ہے۔ تم نے لندن میں بھی تو ہمیں ستایا تھا۔

اللہ قسم، ہمیں کچھ بھی نہیں آتا۔ پڑھائی سے لڑکیاں خراب ہوتی ہیں۔

ہمارے خاندان میں عجیب ہے یہ۔

غزالہ کیوں پریشان کرتی ہو۔ عادل جھلا اٹھے۔

غزالہ خاموش ہو گئی۔

عادل پھر بولے۔

اور اسے گونی مار دیں۔ اتنا بڑا دھوکہ۔ اتنا فریب ... اف خدایا۔ غزالہ تو ہم پرست ہے۔ اس کے ساتھ زندگی کیسے گزرے گی۔ کاش ہمیں پہلے معلوم ہو گیا ہو کہ جب غزالہ سے رشتہ ہوا تھا۔ ہم تو تب ہی راضی نہ تھے۔ بعد میں ہم نے اس کے خیالات معلوم کرنے کے لیے خط لکھا۔ اس کے خیالات معلوم کر کے ہمیں کتنی خوشی ہوئی تھی۔ کیا باتیں، کیا ہوا، رنج اور غصے کی وجہ سے ان کا برا حال تھا وہ بے چین تھے۔ اس وقت جہاں آرا آگئی۔ کہنے لگی۔

آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔

ہاں ٹھیک ہوں۔ وہ آہستہ سے بولے۔

دلہن بھالی کو کیا ہوا۔ شاید کوئی دورہ پڑ گیا ہے۔ ہوش میں آگئی ہیں مگر عجیب جاہلیت کی باتیں کر رہی ہیں۔

ہم نے جو اٹھایا تھا، ہم ہار گئے۔ عادل افسوس سے بولے۔

میں سمجھی نہیں۔ جہاں آرا پریشان ہو کر بولی۔

ہمارے ساتھ ظلم ہوا جہاں آرا۔ غزالہ کی عادتیں ہم سے بالکل الگ ہیں۔ امید تو نہ تھی کہ ایسا ہو گا۔ اس کے ساتھ اس کی جو سبیلی آئی ہے زیب، وہ تو اتنی اچھی ہے کہ بتائیں سکتی۔ جہاں آرا بولی۔

زیب، کہاں ہے وہ؟ عادل غصے سے کانپ گئے۔

وہ بچاری بھی دلہن بھالی کو سنبھال رہی تھی۔ اب انہیں ذرا سکون پڑا ہے تو اپنے کمرے میں گئی ہے۔

جہاں آرا کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر چلی گئی تو عادل بھی ساتھ تھے۔ کہنے لگے۔

کہاں ہے وہ زیب ...

جی اس کمرے میں، آئیے آپ کو ملوا دوں۔ دیکھئے کتنی اچھی ہے۔ عادل غصے سے بے قابو ہو رہے تھے۔ جہاں آرا کے ساتھ زیب کے کمرے میں آئے۔ دیکھا تو وہ سفید لباس میں بیوس بالکونی میں کھڑی تھی۔

زیب۔ جہاں آرا نے پکارا۔

میں نے تمہیں لکھا تھا کہ ہم ساری رات باتیں کریں گے۔ آؤ آج کی رات کو ختم یادگار بنا ڈالیں۔ چلو تمہیں باغ میں لے جاؤں۔

ہم نہیں جائیں گے۔ رات کے وقت باغ میں ہمیں وحشت ہوتی ہے۔ بھوت پریت کا پھیرا ہوتا ہے۔ غزالہ ڈر کر بولی۔

غزالہ، یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

ہمیں اہل حضور نے منع کر دیا تھا کہ رات آٹھ بجے کے بعد درختوں کے نیچے کبھی نہ جانا اور پھر آج تو کبھی نہیں۔ غزالہ شرم درم سب کچھ بھول گئی اور کانپنے لگی۔

غزالہ یہ کیا۔ تم وہم بھی کرتی ہو۔ عادل پریشان ہو گئے۔

ہمیں کچھ ہو رہا ہے۔ ہمارا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ ہائے اللہ آپ نے رات کے بارہ بجے کیوں یہ ذکر چھیڑ دیا۔ غزالہ پریشان ہو کر بولی۔

غزالہ۔ وہ خط۔

بھاڑ میں جائیں۔ ہماری جان پر بن گئی ہے۔ کہہ جو دیا آپ سے وہ خط زیب نے کھینچے تھے۔ ہم تو اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے۔ ہائے خدایا۔ ہمیں کیا ہو رہا ہے۔ اماں حضور نے تعویذ بھی ڈالا تھا۔ ہائے جلدی سے مولوی کو بلوائے۔ ہمیں دم کرے۔ ہمارے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو رہے ہیں۔ غزالہ پٹنگ پر گر سی گئی۔ عادل گہرا کر باہر نکلا۔ ذرا سی دیر میں گھر بھر کو خبر ہو گئی۔ سب دوڑے چلے آئے۔ غزالہ سچ رہی تھی۔ ڈاکٹر بلوائے گئے۔ ڈاکٹر نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ ذہن پر ڈر کی وجہ سے بوجھ ہے۔ زیب کو بھی خبر ہوئی۔ وہ غزالہ کو سنبھالتی رہی۔ اس کا ڈر دور کرنے کے لیے باتیں کرتی رہی۔ غزالہ یہی کہتی کہ ہم درخت کے نیچے نہیں جائیں گے۔ نہیں جائیں گے۔

عادل دوسرے کمرے میں جا چکے تھے۔ ان کے ذہن میں کھلی سی جگہ تھی۔ اب وہ سب کچھ سمجھ گئے تھے اور آخری خط کی پریشانی کی وجہ بھی سمجھ میں آگئی تھی۔ ایک ایک لفظ سمجھ میں آگیا تھا کہ یہ زیب کے اپنے دل کی آواز تھی۔ ان کو بے حد غصہ آیا اور دل چاہا کہ وہ اسی وقت زیب کے پاس جائیں

تھا۔ وہ کھڑی کھڑی کانپ رہی تھی۔ آخر وہ دم سے گر پڑی۔
 تم نہیں جانتیں جہاں آرا۔ اس ناگن نے اپنا زہر کس حد تک پھیلا دیا ہے۔
 اسی نے میری زندگی تباہ کی ہے۔ میں اس کو ایسے نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی
 پوری سزا دوں گا۔ اسے کیس مٹ جانے دیتا۔ اس کو میں تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔
 یہ کہتے ہوئے وہ باہر چلے گئے۔
 جہاں آرا نے اسے ہوش دلایا تو وہ بالکل پاگلوں کی مانند اسے دیکھ رہی
 تھی۔

کافی دیر تک جہاں آرا اسے تسلی دیتی رہی۔ پھر وہ اپنے کمرے میں چلی
 گئی۔ تب زیب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ آنکھوں سے جیسے خون اہل رہا تھا۔
 دل میں نشتر چھ رہے تھے۔ عادل کا ایک ایک لفظ زہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ تمام
 رات ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہی۔ روتی رہی۔ آنکھیں سرخ انگارہ بن
 گئیں۔ مرغ صبح کی اذان دے رہے تھے اور وہ تڑپ رہی تھی۔

○

کمرے میں ہلکی دودھیا روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے مڑ کر دیکھا، ساتھ
 عادل تھے۔ اس کی نظریں جھک گئیں۔ پاؤں میں لغزش آگئی۔
 یہ میرے بھائی جان ہیں۔ سوچا آپ سے ملوؤں۔ جہاں آرا بولی۔
 تسلیم۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

عادل اس کے معصوم چہرے کو حیرت سے دیکھ رہے تھے مگر اس کے خلاف
 ان کے دل میں لاوا سا اہل رہا تھا۔ کہنے لگے۔
 تو آپ ہیں زیب۔ کیا آپ نے پڑھائی اس لیے کی ہے کہ لوگوں کو بے
 وقوف بنایا جائے۔

زیب پریشان سی ہو گئی۔ اس نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا۔
 یہ فریب؟ یہ دھوکہ دیتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آئی۔
 جہاں آرا حیران تھی۔ وہ بھی زیب اور کبھی عادل کو دیکھ رہی تھی۔ عادل
 پھر گرے۔

بتائیے میرا کیا قصور تھا۔ آپ نے مجھے بے وقوف کیوں بنایا۔ سہیلی بن کر
 آپ نے غزالہ کو بے وقوف بنایا۔ مجھ سے دھوکہ کیا۔ کیا یہی کیل کیل کھاتی ہیں
 آپ۔ دولت کی ضرورت تھی تو مانگ لی ہوتی۔ اس ذلت سے کیا فائدہ؟
 رنج کی وجہ سے زیب بار بار اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں
 میں آنسو چل رہے تھے۔ آخر وہ بہہ نکلے۔

اب چپ کیوں ہیں آپ؟ اپنی حیثیت دیکھ کر مجھ پر ڈورے ڈالنے کی
 کوشش کرتیں۔

خدا کے لیے۔ چپ ہو جائیے۔ بس سمجھئے۔ وہ لڑتی ہوئی آواز میں بولی۔
 میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو گولی مار دوں۔ کس قدر گھناؤنی عادت ہے آپ
 کی۔ کتنا کمر کتنا فریب اور صورت کتنی معصوم۔ تو بہ خدا یا۔ ایسی صورت کے
 جیسے ایک سیاہ زہریلی ناگن۔ جس نے مجھے بھی ڈسا اور غزالہ کو بھی۔ کتنی
 زندگیاں برباد کیں آپ نے۔ عادل غصے میں نہالے کیا کیا کئے جا رہے تھے۔
 جہاں آرا حیران کھڑی تھی کہ کیا ماجرا ہے اور زیب کا جیسے دل ڈوب گیا

اچھا' اسے یہاں بھیجو۔ پھر غزالہ ہنس کر کہنے لگی۔ یہ وہی زیب ہے جس سے میں۔ آپ کو خط لکھوایا کرتی تھی۔

تم خود لکھواتی تھیں؟ عادل نے پوچھا۔

مجھے کیا معلوم، آپ کا خط آتا تھا تو میں اسے دے دیتی تھی اور کہا کرتی تھی کہ خود ہی جواب دے دو اپنی سمجھ سے۔

تم نے اچھا نہیں کیا غزالہ، وہ رنجیدہ اور اداس سے بولے۔

زیب ہمیشہ کہا کرتی تھی کہ یوں نہ کرو۔ مگر میں نے سوچا کہ چلو مذاق ہی کسی۔

تب عادل کی آنکھوں کے سامنے زیب کی معصوم صورت آگئی۔ زیب اندر آئی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ عادل بھی وہاں ہوں گے۔ وہ واپس جانے کے لیے مڑی ہوئی تھی کہ غزالہ نے آواز دی۔

سنو زیب، کیا ہوا تم واپس کیوں جانا چاہتی ہو۔

یونہی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

نہیں، ہم نہیں جانے دیں گے۔ آؤ بیٹھو۔

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ عادل نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اس کا چہرہ بڑا ویران لگ رہا تھا اور آنکھیں سرخ تھیں۔

کیا ہوا، تم روٹی ہو کیا۔ غزالہ نے کہا۔

وہ خاموش بیٹھی رہی۔

یہ زیب ہیں۔ عادل نے مسکرا کر کہا۔

جی ہاں، غزالہ شرابی تھی۔

یہ تو کچھ عجیب سی معلوم ہوتی ہیں۔ عادل نے چوٹ کی۔

کیا؟

اچھی لڑکی نہیں لگتیں۔

زیب غصے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور غصے سے لرزتی ہوئی آؤ۔ میں بولی۔

میں اب ایک لفظ بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ آپ میری مزید توجہ نہیں



غزالہ بالکل ٹھیک ہو گئی تھی۔ عادل اس کے پاس آئے تو وہ شرابی تھی۔

عادل بے حد سنجیدہ تھے۔ کہنے لگے۔

طبیعت ٹھیک ہے تمہاری۔

جی ہاں۔ وہ شرابے ہوئے بولی۔ مجھ پر دراصل سایہ ہے۔ کبھی کبھی دورہ

پڑ جاتا ہے۔ ایک بات کون آپ سے۔

کو۔ وہ بچے دل سے بولے۔

ہر کمرے میں سے سفید چیزیں ہٹا دیں۔ مجھے وحشت ہوتی ہے۔ اس کی

بجائے سرخ، پیلا، کاسنی، رنگ رنگ کی چیزیں ہونی چاہئیں۔

اچھا۔ وہ زپ گئے۔

آپ نے کون سا عمل لگایا ہے۔ مجھے اس سے بھی ڈر معلوم ہوتا ہے۔ اگر

جی سلاگے گا۔ کتنی اچھی خوشبو ہوتی ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ آپ سے باتیں

کروں اس لیے کر رہی ہوں ورنہ دہائیں تو سال سال بات نہیں کرتیں۔ وہ شرابی

کر بولی۔

کتنے اندر آئی اور کہنے لگی۔ دلہن سرکار۔ وہ آپ کی سہیلی جا رہی ہے۔

ابھی تاڑ بھی نہیں کیا۔ کتنی ہے واپس جاؤں گی۔

زیب، واپس کیوں جا رہی ہے۔ اسے کہہ دو ابھی نہیں، ہم ساتھ لے کر

چلیں گے۔

وہ نہیں باقی سرکار۔ اس کی طبیعت بھی بہت خراب ہے۔

ہار نہ جانے کہاں گم ہو گیا؟

آج تک کوئی چیز نہیں گئی۔ میں کہیں ہو گا۔ جہاں آرا بولی۔
کمرے میں بہت سے لوگ تھے۔ عادل نے ایک کنیز کو زیب کے بس کی
طرف اشارہ کیا۔ کنیز پہلے تو جھجکی پھر بولی۔
یہ بس کس کا ہے، اس میں دیکھو۔
اس میں کیسے ہو گا؟ جہاں آرا بولی۔
زیب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ بس آگے کر کے بولی۔
لیجئے، دیکھ لیجئے۔

کنیز نے بس کو کھولا اور کپڑے اٹلے پٹلے۔ نیچے ہار تھا۔ کنیز نے جب ہار نکالا
تو سب حیران تھے۔ زیب کا چہرہ غم اور غصے کی وجہ سے پیلا پڑ گیا تھا۔ غزالہ
حیران تھی۔ عادل مسکرا کر بولے۔
اسی لیے جانے کی جلدی تھی۔ میرے خیال میں پولیس کے حوالے کرنا
چاہئے۔

زیب کی حالت عجیب تھی۔ وہ زور سے بولی۔ یہ مجھ پر الزام ہے۔ الزام
ہے۔

الزام یہاں کون لگائے گا۔ بیگم صاحبہ بولیں۔
ہاں اس سے کس کو دشمنی ہو گی۔ ایک اور آواز آئی۔
اسی لیے تو جلدی چا رہی تھی جانے کی۔
ہائے ہائے شکل دیکھو کتنی معصوم ہے۔
نواب صاحب کے ہاں جانے کتنوں کو لوٹا ہو گا۔

سب لوگ باتیں بنا رہے تھے اور دسمان بھی جمع ہو گئے۔ سب کوئی نہ کوئی
بات کر رہے تھے۔ زیب پہلی پہلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔
غزالہ حیران تھی۔ آخر وہ بولی۔

زیب تم سے یہ امید نہ تھی۔ تم نے بڑی بے عزتی کروائی۔
غزالہ یہ بھوٹ ہے۔

کر سکتے۔

بڑا برا لگا محترمہ کو۔ آپ خود ذرا اپنے کردار پر نظر ڈال کر کہیں کہ آپ
ایک اچھی لڑکی ہیں۔

آپ کیا سمجھتے ہیں؟

میں تو آپ کو ایک دھوکے باز، مکر اور فریب کا پتلا سمجھتا ہوں۔
وہ خاموش ہو گئی۔ مگر اس کا چہرہ اس قدر سرخ ہو رہا تھا کہ تڑپ کر بولی۔
میں جا رہی ہوں غزالہ۔
مگر ماجرا کیا ہے؟ غزالہ حیرت سے بولی۔

ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔ عادل اٹھ کر باہر نکل گئے۔ چپکے سے انہوں نے
اپنا جتنی ہار لیا اور جاکر جلدی سے زیب کے بس میں ٹھونس دیا اور باہر نکل
آئے۔

ادھر غزالہ نے ہتیرا زور لگایا کہ زیب نہ جائے مگر زیب نے فیصلہ کر لیا کہ
وہ ضرور چلی جائے گی۔ اور آخر وہ تیز تیز نکلی اور اپنا بس لیا اور جانے لگی۔
غزالہ کے پاس آئی اور بولی۔
خدا حافظ غزالہ۔

اسی لمحے شور مچ گیا کہ چھوٹے نواب کا ہار چوری ہو گیا ہے۔ جہاں آرا کی
والدہ غزالہ کے پاس آکر بولی۔
یہاں تو نہیں ہے عادل کا ہار۔
جی نہیں، یہاں تو نہیں ہے۔
سب لوگ ڈھونڈ رہے تھے۔ جہاں آرا کی ماں زیب کو جاتے دیکھ کر بولی۔
آپ کیوں جا رہی ہیں؟

مجھے ڈیوٹی پر جانا ہے جی۔ اس لیے معافی چاہتی ہوں۔

ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ ناشتہ تو کر لیجئے۔

طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اب اجازت دیں۔

عادل اندر آ گئے۔ بولے۔

دل تڑپ اٹھا۔ بغیر سوچے سمجھے میں نے اس کی اتنی توہین کی۔ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی تھی اور اس نے مجھے مطلع بھی کرنا چاہا تھا۔ اس کا بھی کیا قصور۔ غزالہ نے اسے جواب لکھنے کو کہا۔ ذائق تو غزالہ نے کیا ہے مگر اب کیا ہو گا۔ کیا میں اس کے پاس جاؤں۔ مگر وہ تو اس کو ایک چال سمجھے گی۔ اسے معلوم ہے کہ یہ الزام میں نے اس پر لگایا ہے۔ وہ افسوس کی وجہ سے ہاتھ مل رہے تھے۔ بار بار زیب کا وہ توہین انگیز لمحہ انہیں یاد آتا اور اس کا رونا... ان کا پیچھا کرنا کہ وہ زیب کے حالات معلوم کریں۔ تب وہ اٹھ کر غزالہ کے کمرے میں آئے مگر وہاں اتنی لڑکیاں بیٹھی تھیں کہ بیان سے باہر۔ وہ کھڑے تھے کہ انہوں نے بیگم صاحبہ کو دیکھ لیا۔ بیگم صاحبہ انہیں دیکھ کر آگے آئیں۔

عادل میاں۔ ذرا الگ آؤ۔ ہمیں تم سے کچھ کہنا ہے۔

جی ہمت۔ وہ بیگم صاحبہ کے ساتھ اپنے کمرے میں آگئے۔

تشریف رکھیے۔ عادل نے صوفہ کی طرف اشارہ کیا۔

صوفہ پر اپنا بھاری بھرکم جسم سنبھال کر بیٹھے ہوئے وہ کہنے لگیں۔

’جیٹا‘ ہمیں بڑا افسوس ہے۔ زیب نے یہ حرکت کی۔ ہماری بدنامی زیادہ ہوئی۔ وہ گھوڑی تو آنے کو رضامندی نہیں تھی۔ ہم نے ہی زبردستی سمجھا تھا۔ تم چانو ہم تو پڑھے لکھوں کو سمجھ دار سمجھے ہیں۔ ہم نے سوچا کہ مصلحت لڑکی ہے۔ اچھا ہے سسرال میں غزالہ کو سمجھاتی رہے گی مگر اس نے وہ کام کیا کہ میں حیران رہ گئی۔ ہمیں تو ہم نہ تھا کہ وہ ایسی ہو سکتی ہے۔ ہم تو اب حویلی میں قدم بھی نہ رکھتے دیں گے۔ کل کلاں کو کوئی چیز غائب ہو گئی تو ہم کیا کریں گے۔ عادل کے دل پر چوٹ سی لگی۔

تو میرے اس قدم نے اس پر بدنامی کی مر لگا دی۔ وہ آہستہ سے بولے۔ چھوڑیے جانے دیجئے اس قصے کو‘ بیٹیں پر ختم کر دیجئے۔

نہ میاں‘ نواب صاحب کو بڑا غصہ آیا اور صباوت تو آگے ہی اس کے پیچھے پڑے رہے ہیں۔ ایک اشارہ کر دیں کہاں کا کہاں غائب کر دے گا۔ وہ تو ہمارے در سے خاموش رہتا ہے۔ ہاں تو ’جیٹا‘ ہم تو گھوڑ ماری پر رحم کرتے

تو تم جانے کے لیے اصرار کیوں کر رہی تھیں۔ ایک اور آواز آئی۔ اس کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ مکر مکر دیکھ رہی تھی سب کو۔ پولیس کے حوالے کرنا چاہئے۔ ایک اور آواز آئی۔

’نہیں نہیں‘ یہ نواب صاحبہ کی بے عزتی کی بات ہے۔ کچھ دن بیٹیں رہنے دیں پھر سمجھیں گے۔

اسی اثنا میں زیب گر پڑی تھی۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ چہرہ زرد تھا۔ اسے کسی نے نہ سنبھالا۔ کافی دیر وہیں پڑی رہی۔ پھر ایک کینئر نے منہ پر پانی ڈالا مگر ہوش نہ تھا اسے۔



اس روز دعوت ولیمہ تھی۔ بیگم صاحبہ‘ صباوت اور نواب صاحبہ بھی آ گئے۔ انہیں جب زیب کا معلوم ہوا تو پہلے تو انہیں یقین نہ آیا پھر انہیں اس بات کی بڑی ندامت ہوئی۔ زیب کو کینئروں نے اسی کمرے میں ڈال دیا تھا جہاں وہ پہلے تھی۔ بیگم صاحبہ وہیں گئیں تو وہ زرد زرد پڑی تھی۔

تم نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ زیب۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔

میں نے کچھ نہیں کیا بیگم صاحبہ۔ یہ مجھ پر الزام ہے۔ وہ رو پڑی۔

سب لوگ کہہ رہے ہیں۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔

مجھ پر یقین کیجئے۔ مجھ پر الزام ہے۔ وہ زور زور سے رونے لگی۔

دعوت ولیمہ کا جشن زوروں پر تھا۔ عادل ایک کمرے میں اداس بیٹھے تھے۔

اور زیب اکیلی کمرے میں سسک رہی تھی۔ عادل محسوس کر رہے تھے کہ انہوں نے زیب کے ساتھ سخت زیادتی کی ہے۔ زیب کی شکل دیکھ کر ان کے کلیجے پر نشتر سے جیسے لگے تھے۔ اف اتنی زیادتی۔ اتنا بڑا الزام۔ میں نے کیا کیا۔ ان کا

سارا محل خوشیوں میں ڈوبا ہوا تھا اور محل کا ایک کمرہ ایسا تھا جہاں روشنی بھی نہ تھی۔ گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور عادل دور کھڑے اس کمرے کو دیکھ رہے تھے۔

محل کی خوشیوں میں اور اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور زیب حیران تھی کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ وہ اپنے نصیبوں کو کوس رہی تھی کہ اے اللہ میں نے ایسا کون سا قصور کیا تھا جو مجھے یہ سزا ملی۔ آنکھوں کے سوتے خشک ہو چکے تھے اور دماغ بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ رات جہاں آرا نے اس کے لیے کھانا بیٹھا تھا مگر وہ جوں کا توں واپس آگیا تھا۔ عادل اس وقت بارہ دری کی طرف جا رہے تھے۔ کیز کھانا واپس لائی تو انہوں نے دیکھا اور دل موس کر رہ گئے۔

صبح ہوئی تو زیب نے دل میں مہم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ یہاں سے چلی جائے گی۔ اس نے لٹے ہوئے ویران دل کے ساتھ بکس اٹھایا اور بڑے کمرے میں آگئی۔ بڑے کمرے میں بہت سارے لوگ تھے۔ غزالہ بھی وہیں تھی۔ عادل بھی تھے۔ جہاں آرا اور نواب صاحب دیکر اہل خانہ بھی موجود تھے۔

اس کی چال میں لڑاکا ہٹ تھی۔ ہونٹ خشک تھے تب وہ آگے بڑھ گئی اور بیگم صاحبہ کے پاس جا کر بولی۔

میں جانا چاہتی ہوں۔

بیگم صاحبہ نے منہ پھیر لیا۔

اے ہے اب جاؤ گی کہاں۔ یہیں رہو، تمام عمر خدمت کرنا۔ ایک صمان عورت بولی۔

زیب کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ وہ عادل کی طرف بڑھی اور بولی۔
میں نے چوری کی تھی۔ آپ مجھے پولیس کے حوالے کر دیں، مگر میں یہاں نہیں رہوں گی۔

عادل کے چہرے پر عجیب سی بے چینی پھیل گئی۔ کہنے لگے۔

میں... نہیں، نہیں آپ نہیں جاسکتی ہیں۔

تب اس نے ایک لفظ بھی نہ سنا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

رہے۔

اس کے ماں باپ... عادل نے درمیان میں پوچھا۔

وہ دونوں ہی بیماری میں چل رہے۔ ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہے زیب۔ بڑے لاڈلوں سے پالا تھا۔ جانے کم بخت کو کیا ضرورت آ پڑی۔ کہاں تو خود داری کا یہ عالم تھا کہ نوکری کر رہی تھی۔ ہم نے کئی بار کہا کہ اکیلی جان پر نوکری کی کیا ضرورت... مگر ہر بار پلٹ کر جواب دیا کہ خود کہا کہ کھانے میں سکون ملتا ہے۔ نکل گیا نہ تمام بھرم۔ ساری خود داری ختم کر دی اس قدم نے۔

عادل کو اپنا سانس رکنا ہوا محسوس ہونے لگا۔

تو... تو میں نے اس کی تمام نیکی اور خود داری پر پانی پھیر دیا۔ اس کے دل پر کیا گزرتی ہو گی۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

بیگم صاحبہ، زیب کا تمام خاندان بتا چکیں تو اس کی تمام زندگی جو گزری تھی، اس کی نیکیاں بتانے لگیں۔ پھر ایک دم چلا پڑا اور بولیں۔

ہائے ہائے ایسے نیک ماں باپ کی اولاد ایسی چور اولاد۔ میں تو سکول میں بھی پیغام بھجوا دوں گی۔ جب نوکری سے نکلے گی تو پتہ چلے گا کہ آئے وال کا کیا بھاد ہے۔

عادل کانپ گئے اور جلدی سے بولے۔ نہیں نہیں، ایسا نہ کیجئے گا۔

نہیں یہاں اے سزا تو خب ملتی چاہئے۔

رہنے دیجئے، اب ہم خود سوچ لیں گے۔

ابھی ابھی گئے تھے ہم دیکھنے کو۔ چہرہ پیلا زعفران ہو رہا تھا۔ برسوں کی بنیاد معلوم ہوتی ہے۔ ہم نے کہا کہ تم بے عزتی کروائی ہے تو رو پڑی اور کہنے لگی۔ میں بے قصور ہوں۔ مجھ پر الزام لگا ہے۔ ہم نے پوچھا کہ کون لگا سکتا ہے تم پر الزام۔ کسی کو ایک دن میں تم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ تب چپ ہو گئی۔ کچھ ہوتا تو بتاتی۔ قصور ہی کیا ہے تب ہی تو چپ ہو گئی۔

عادل گہرا کر باہر دیکھنے لگے۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہے تھے۔ بیگم صاحبہ دیر تک اوٹ پانگ باتیں کرتی رہیں۔ پھر عادل باہر نکل گئے۔

دروازے کے پاس جا کر جیسے کوئی خیال آیا۔ واپس آئی اور عادل کے پاس جا کر اپنا بکس رکھ دیا اور کہنے لگی۔

بکس دیکھ لیجئے کوئی نئی چیز تو نہیں چرائی میں نے؟

سب لوگ زور زور سے ہنسنے لگے۔

عادل اٹھ کر باہر نکل گئے۔ تب بیگم صاحبہ کہنے لگیں۔

جاؤ زیب، تم جا سکتی ہو۔

وہ بکس اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل آئی۔ محل سے نکل کر اس نے تیز تیز چلتا شروع کر دیا۔ سڑک سنسان تھی۔ اکا دکا رک آ جا رہے تھے۔ اس نے ایک آدمی سے شیش کا راستہ پوچھا اور اسی طرح چلتے لگی۔ اپنی ذلت پر اس کا جی بار بار کٹ رہا تھا۔ آنسو آنکھوں میں چل رہے تھے۔ جس وقت سے اس کے ساتھ یہ واقعہ ہوا تھا تب سے رنج کے بارے کچھ کھایا بھی تو نہیں تھا۔ بھوک نے بھی اسے بڑھال کیا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا ایک سفید کار اس کے پیچھے آ کر رک گئی ہے۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ عادل تھے۔ وہ گھبرا گئی۔

عادل اتر کر اس کے قریب آ گئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھے کہ وہ لاوے کی طرح پھٹ پڑی۔

میں نے آپ سے پہلے کہا تھا کہ بکس دیکھ لیں۔ میں آپ کی کوئی چیز لے کر نہیں آئی۔

خدا کے لیے بس کرو۔ عادل آہستہ سے بولے۔

وہ چپ سی ہو گئی۔

میں تم سے شرمندہ ہوں۔ دراصل میں نے تم سے بڑی زیادتی کی ہے۔

چپ رہنے نواب صاحب، غریبوں کے پاس ایک ہی تو سرمایہ ہے۔ اسے بھی جب بھی آپ لوگوں کو موقع ملتا ہے ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کون سی نئی چال سوچتی ہے آپ نے اب مجھے ذلیل کرنے کی جو میاں تک آنے کی تکلیف گوارا فرمائی۔ اس کے لیے مجھ میں بے پناہ ظہر تھا۔ باتوں کے ساتھ ساتھ آنسو گالوں سے لڑھک رہے تھے۔

اس کی صورت دیکھ کر عادل کے دل کی عجیب حالت تھی۔ کہنے لگے۔

میرا اس میں قصور بھی کیا ہے زیب۔ کہاں تم کہاں غزالہ۔ اگر مجھے پہلے سے یہ علم ہو تا کہ غزالہ کیسی ہے، کون ہے تو میں کبھی بھی شادی نہ کرتا۔ تمہاری تحریر نے میرے دل میں جو شمع روشن کی تھی۔ وہ ایک دم بجھ گئی تو تمہرے خود سوچ کر میری کیا حالت ہو گی۔ تب میں تو غصے سے پاگل ہو گیا۔

خدا کے لیے میرا غرات نہ اڑائیے۔ وہ ہونٹ کاٹنے ہوئے بولی۔

مجھے معاف کر دو زیب۔ خدا کے لیے، ورنہ یہ دکھ مجھے پاگل کر دے گا۔ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ میں نے اتنی ذلیل حرکت کی ہے۔

میں کسی کو کیا معاف کر سکتی ہوں۔ ایک بے سارا، لاوارث لڑکی۔ چاہیے آپ سے مجھے کوئی گدہ نہیں۔ گدہ ہے تو اپنے فیصہ سے۔ اس نے قدم آگے بڑھائے۔

چلتے میں آپ کو چھوڑ دوں۔ عادل اس کے قریب آ کر بولے۔

شکریہ۔ پہلے جو دکھ میرے پاس ہیں وہ کافی ہیں۔

زہیب۔

جائیے اور خدا کے لیے میرے بارے میں کچھ نہ سوچئے۔ میں بڑی بد فیصہ ہوں۔ اس کی آواز غم کی وجہ سے گھٹ سی گئی۔

شیش بہت دور ہے۔ آپ نہیں پہنچ سکیں گی۔ وہ آہستہ سے بولے۔ وہ کچھ نہ بولی اور تیز تیز چلتے لگی۔ عادل گاڑی قریب لے آئے اور کہنے لگے۔

آئیے۔

جی نہیں، بہت شکر ہے، میں چلی جاؤں گی۔ ابھی مجھ میں دم ہے۔ وہ اور بھی تیز چلتے لگی۔

نئے مس زیب، گاڑی کے آنے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں اور دوسری گاڑی رات کو آٹھ بجے آئے گی۔

آپ کیوں مجھے تنگ کر رہے ہیں۔ وہ تیز لہجے میں بولی۔

آپ نے اس رات سے کچھ نہیں کھایا۔
وہ خاموش رہی۔

زیب۔ عادل نے اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے۔
وہ بجلی کی سی تیزی سے الگ ہو گئی۔ دل بھر آیا تھا۔ وہ ہی غصہ جسے اس نے دل کے نمل خانے میں سچایا تھا اس کے سامنے تھا، اس کی نظروں میں پیار تھا۔ محبت تھی مگر کن حالات میں۔ اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا لیا اور سنسنے لگی۔

وہ کچھ دیر کھڑے رہے۔ پھر باہر نکل گئے۔ بیرھے کو چائے اور دوسری چیزیں لانے کو کہا۔ واپس آئے تو وہ ابھی تک رو رہی تھی۔
وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئے اور بولے۔

یقین مانو زیب۔ میں بے حد شرمندہ ہوں۔ جذبات کے پاگل پن میں واقعی مجھ سے ذلیل حرکت ہوئی ہے۔ شاید اس کے لیے اپنے آپ کو میں کبھی معاف نہ کر سکوں۔ مگر زیب لندن میں ہمارے خطوں نے مجھے ہمارے اس قدر قریب کر دیا تھا کہ ایک لمحہ بھی تم سے دور رہنا مشکل نظر آتا تھا۔ کتنی خوشی ہوتی تھی ہمارے خیالات معلوم کر کے مجھے۔ کیا کیا سوچا تھا میں نے۔ تم طوطی تو کیا کبکوں کا، کتنی باتیں کروں گا مگر غزالہ کو دیکھ کر اور اس کی جلاوطنی باتیں سن کر دکھ سے پاگل ہی تو ہو گیا۔ تم نے مجھے کیوں نہ صاف صاف بتا دیا زیب۔
وہ ہنسیاں لیتی رہی۔

اب تو میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ آہستہ سے بولے۔

اس نے آنسوؤں سے بھیگی ہوئی چمکیں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

نیں تمہیں سزا دوں گا۔ وہ مسکرائے۔

ان کی مسکراہٹ نے زیب کے دل میں ایک میٹھی سی دھڑکن پیدا کر دی۔
سازشی کے پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔
میں تو پیدا ہی اسی لیے ہوئی ہوں۔
پوچھ تو لو کیا سزا؟ انہوں نے اس کا کانپتا ہوا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

عادل خاموش ہو گئے۔

وہ تقریباً "آدھ گھنٹہ چلتی رہی اور عادل بھی آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔
راتے میں کئی لوگ ایسے لے جو لواب صاحب کو کار چھوڑ کر پیدل چلا دیکھ رہے تھے۔

زیب نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے اس کا چہرہ پتلا پڑ گیا تھا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ خدا خدا کر کے اسے شیش کی عمارت نظر آئی۔ شیش سنسان تھا۔ بڑی امید کے ساتھ اس نے ایک خواہنے والے سے پوچھا۔

گاڑی چلی گئی۔

ہاں بیٹی۔

دوسری گاڑی کب آئے گی۔ اس نے پریشان ہو کر پوچھا۔

آٹھ بجے رات۔

اودھ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

بابا، یہاں کوئی دیننگ روم ہے؟

جی ہاں، شیش پر مسافر خانہ ہے۔ وہ سامنے۔

تب وہ اس طرف چلی گئی۔ مسافر خانے میں ایک فقیرنی لٹھی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے بچ پر بیٹھ گئی۔ ذہن اس قدر پریشان تھا کہ وہ کوئی سوچ بھی پوری نہ کر سکتی تھی۔

تھوڑی دیر گزری ہو گئی کہ اس نے دیکھا کہ عادل دروازے پر کھڑے

ہیں۔ اس نے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔

وہ قریب آ گئے اور کہنے لگے۔

آپ جو چاہیں سزا مجھ دے لیں مگر اپنے آپ کو سزا مت دیں۔

آپ کیوں آئے ہیں یہاں۔ وہ روندھی ہوئی آواز سے بولی۔

معلوم نہیں۔ ان کے لیے میں بڑی اپناہیت تھی۔

وہ اس لیے کو برداشت نہ کر سکی۔ خاموش بیٹھی رہی۔

وہ کہنے لگی۔

میں گاڑی سے میں جاؤں گی۔

ہلے، دیکھئے خدا نہ سمجھے۔ رات آج بھی ہے اور خواہ مخواہ آپ کو تکلیف ہو گی۔

مگر زیب نہ مانی اور یونہی بیٹھی رہی۔

یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ مجھے آپ کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے گا۔ وہ سکرانے۔

خدا کے لیے آپ چلے جائیں۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

یہ نہیں ہو گا۔

کیوں آخر؟

بھری مرضی۔

دیکھو زیب، کتنا دکھ دیا ہے تم نے مجھے۔ یہ بھی تو سوچو۔

عادل دیر تک باتیں کرتے رہے لیکن زیب خاموش بیٹھی رہی۔



دوپہر ہو گئی۔ اس نے پھر عادل کو جانے کے لیے کہا مگر وہ نہ مانے۔ اسی لمحے صاحت آنکلی۔ عادل کی گاڑی باہر کھڑی دیکھ کر وہ شیش پر ڈھونڈنے لگے۔ عادل کو وہاں کا پتہ پڑ جاتا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ڈیننگ روم میں ہیں۔ صاحت سیدھا دوپہر آگئے۔ زیب کے ساتھ عادل کو دیکھ کر منہ سرخ ہو گیا۔ بغیر پوچھے اندر آگئے۔ پہلے پہلے دانت نکالتے ہوئے بولے۔

چور پکڑنے آئے ہیں بھائی صاحب۔

عادل خاموش رہے۔ زیب کا چہرہ بیلا پڑ گیا۔

میں نہیں جانتی۔ اس نے جھنجپ کر آہستہ سے ہاتھ چمڑا لیا۔
جس میں مجھ سے شادی کرنا ہو گی۔ وہ اس کی ٹھوڑی اوپھی مہکتے ہوئے بولے۔

وہ تڑپ کر علیحدہ ہو گئی۔

کیوں کیا ہوا؟

مزید مذاق مت اڑائیے۔

زیب۔ وہ تیز لہجے میں بولے۔

چائے، خدا کے لیے چلے جائے۔

زیب میں ہر قیمت پر جس میں حاصل کروں گا۔ تمہارے بغیر میری زندگی ادموری ہے۔ یہ اچھی طرح سوچ لو۔

بیرا چائے لے آیا۔ کچھ چل اور پھر مزید وغیرہ بھی تھیں۔ عادل نے خود چائے بنائی اور اسے دیتے ہوئے کہا۔

جانتی ہو میں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔

مجھے بھوک نہیں۔ وہ آہستہ سے بولی۔

اب اور مت ستاؤ۔ انہوں نے پیالی آگے کر دی۔

اس نے چائے کی پیالی پکڑ لی۔ عادل نے پیٹ آگے کر دی۔ اس نے ایک سوسر اٹھا لیا۔ عادل نے اپنے لیے خود ہی چائے بنائی اور بولے۔

چائے پی لو، پھر میں جس میں کار سے چھوڑ آؤں گا۔ گاڑی تو بہت لیٹ چکی ہے۔ تم اکیلے ہو۔

وہ خاموش رہی۔

چائے پی کر وہ باہر چلے گئے۔ کہنے لگے۔

میں گاڑی لاتا ہوں۔

زیب کی دل کی حالت دیگرگوں سی تھی۔

رات کا خیال کر کے وہ سوچتی رہی کہ عادل کے ساتھ چلے جانا چاہیے۔ اپنی ذلت کا خیال کر کے اس کا دل چاہتا کہ کبھی نہ جائے۔ جب عادل گاڑی لائے تو

زیب کے آنسو بہہ رہے تھے اور عادل کا دل تڑپ رہا تھا۔ ان کی ذرا سی غلطی نے معصوم لڑکی کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ وہ آہستہ سے بولے۔
چلے میں آپ کو چھوڑ دوں۔

تب وہ چپ چاپ چل دی۔ صبا بت چیتے رہے کہ میں خود چھوڑ آؤں گا مگر عادل نے ایک نہ سنی۔

زیب گاڑی کا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی اور عادل نے کار شارت کر دی۔ روتے روتے اس کی ہنگامی بندھ گئی۔ عادل خاموش کار ڈرائیو کر رہے تھے۔

اس کا رونا بہت بڑھ گیا تو عادل نے منہ موڑ کر اس کی طرف دیکھا اور گاڑی روک کر بولے۔

خدا کے لیے زیب ان آنسوؤں کو یوں نہ بہاؤ۔ میں تمہاری راہ کے سب کانٹے اپنے لبوں سے جن لوں گا۔ چپ ہو جاؤ۔

مگر زیب روتی رہی۔

جب وہ پچھتے تو چار بج چکے تھے۔ زیب سیدھا ہوٹل چلی گئی اور عادل اسے گیٹ سے جاتے دیکھتے رہے۔



آپ یہاں کیسے؟ عادل آہستہ سے بولے۔
وہاں محل میں آپ کی ڈھنڈیا بچی ہوئی ہے۔ ہم باہر نکل آئے۔ معلوم ہوا کہ آپ گاڑی لے کر اس طرف آئے ہیں۔

ہم نے سوچا کہ ان کو پہنچا دیا جائے۔ اکیلی کیسے جائیں گی یہ۔ عادل نے زیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

خوب۔ صبا بت طعنے بنے اور بولے۔

آپ جائیں بھائی صاحب۔ ان کی فکر نہ کریں۔ ہم ان کو پہنچا دیں گے۔
زیب کانپ گئی اور کہنے لگی۔

میں خود چلی جاؤں گی۔ آپ کو میری کیا فکر۔

دیکھئے بھائی صاحب، اس نادان لڑکی کو آپ ہی سمجھائیے۔ اسے چوری کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ ہم اس کا ہر خرچہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ صبا ہنستے ہوئے بولے۔

زیب کا جی کٹ کے رہ گیا۔ غصے سے لرزتی ہوئی بولی۔

آپ لوگوں نے مجھے سمجھ لیا کیا ہے۔ آئندہ اگر ایسے نازیبا الفاظ آپ نے میرے لیے استعمال کیے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔

صبا بت کا قہقہہ اس قدر ہلکا تھا کہ عادل بھی غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

دھمکی ہم کو دے کر کیا کر دی۔ تم کر کیا سکتی ہو لاوارث اور یتیم لڑکی۔
اب تو ہم تمہارا لحاظ بالکل نہیں کریں گے۔ تم نے ہماری بہن کے سرسراں میں ہلکی کروائی ہے۔

صبا بت۔ عادل غصے سے بولے۔

کیا فرمایا بھائی صاحب۔ آپ حکم فرمائیں تو آپ کا ہار چرائے والے طرم کو خوب سزا دی جائے۔ صبا بت ہنسے۔

وہ بات غلط تھی۔ ہمارا منہ نے نہیں چرایا۔

اوں ہوں، رحم مت کریں۔ یہ لوگ بگڑ جاتے ہیں۔ ان کو سزا ملنی چاہیے۔

کیا حالت ہو گئی ہے۔ آج تین دن سے کھیل اڑ کر منہ میں نہیں گئی۔ ذرا سا دودھ مس محمودہ آکر چلا گئی تھیں۔

عادل نے زیب کی طرف دیکھا۔ بخار کی وجہ سے اس کا سانس بہت تیز چل رہا تھا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ناک کے تھنھے پھڑک رہے تھے۔ بڑی بی نے کرسی آگے کر دی۔ عادل بیٹھ گئے۔ ان کا دل جیسے کوئی مسل رہا تھا۔ وہ جانتے تھے اور دل میں سمجھ رہے تھے کہ یہ حالت صرف ان کی وجہ سے ہوئی ہے۔ بڑی بی سے پوچھنے لگے۔

کسی ڈاکٹر کو بلوایا آپ نے۔

مس محمودہ نے ہنسیا کر کہا مگر کہنے لگی معمولی بخار ہے۔ ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔
میں ڈاکٹر کو لاتا ہوں۔ عادل کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔



کچھ ہی لمحوں بعد وہ ڈاکٹر کو لے آئے۔ ڈاکٹر نے انجکشن وغیرہ لگایا۔ دوا لکھ کر دی اور فیس لے کر چلے گئے۔ عادل کتنی دیر تک وہاں بیٹھے رہے۔ زیب بے ہوش تھی۔ اس کی ادھ کھلی آنکھیں عادل کو بڑی اچھی لگ رہی تھیں۔
زلفن چائے بنا کر لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد عادل چلے گئے تو مس محمودہ آگئیں اور بولیں۔

کون تھے یہ بڑی بی۔

یہ نواب عادل تھے۔

اچھا، یہ نواب عادل ہیں۔ واقعی جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔ اکی ابھی شادی ہوئی ہے نا؟



زیب نے اپنا سامان ہوشل منگوا لیا تھا۔ زلفن کو بھی اس نے بلوا لیا تھا۔ محل والے واقع کا اس کے ذہن پر اتنا اثر ہوا تھا کہ وہ بیمار پڑ گئی تھی۔ برابر تین دن سے اسے ۱۰۳ بخار تھا۔ اسے جو کمرہ ملا تھا، وہ لڑکیوں کے کمروں سے الگ تھا۔ اس کے ساتھ والے کمرے میں مس محمودہ ہوشل کی وارڈن تھی اور ساتھ والے کمرے میں مس شینہ تھی۔ پرلی طرف لڑکیوں کے کمرے تھے۔ ایک ایک کمرے میں چار چار لڑکیاں تھیں۔ بڑے برآمدے کے اس طرف لائبریری، دفتر اور ڈائننگ روم تھا۔

زیب بہتر پر بے سدھ پڑی تھی۔ زلفن اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ اسی لمحے ہوشل کا چڑاسی آیا اور کہنے لگا۔

کوئی باہر آیا ہے مس زیب سے ملنا چاہتا ہے۔

کون ہے؟ زلفن نے پوچھا۔

معلوم نہیں، گاڑی میں ہیں۔

لیکن یہ تو تین دن سے بخار میں پڑی ہے۔ اسے تو کچھ ہوش ہی نہیں۔

چڑاسی واپس چلا گیا۔ جب آیا تو اس کے ساتھ سیاہ کوٹ میں لمبوس کوئی

تھا۔

ارے نواب صاحب عادل، زلفن کھڑی ہو گئی۔

کیا حال ہے بڑی بی۔ عادل نے پوچھا۔

اچھی نہیں نواب صاحب۔ یہ بچی تو جب سے آئی ہے بخار میں پڑی ہے۔

ہاتھ کرنے سے زیب کا حلق خشک ہو گیا تھا۔ بڑی بی نے پانی لا کر پلایا۔
تب وہ منہ ڈھانپ کر لیٹ گئی۔ بڑی بی اس کا سر دبانے لگی۔ آہستہ سے بولی۔
میں محمودہ پوچھ رہی تھی۔
انہوں نے عادل کو دیکھا تھا؟ زیب لحاف سے منہ نکال کر بولی۔
ہاں، کہہ رہی تھیں عادل یہاں پر کیوں آئے تھے؟
پھر تم نے کیا کہا؟
میں نے کہہ دیا کہ غزالہ نے خیریت دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔
زیب کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ اس کا دل بے بس محبت پر تڑپ اٹھا۔



تمام لڑکیاں اور بچہ ز سکول جا چکی تھیں۔ ہوٹل میں سوائے نوکروں کے
اور کوئی نہ تھا یا پھر اپنے کمرے میں چارپائی پر زیب لیٹی تھی۔ زلفن بچن میں
تھی۔ زیب کے لیے ناشتہ لانے گئی تھی۔
زیب گتے کے سارے پتک پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دیکھا تو سامنے عادل کھڑے
ہیں۔

میں آسکا ہوں۔
آپ؟ وہ گھبرا گئی۔
آپ کی طبیعت؟
اچھی ہے مگر؟
عادل اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ بولے۔
بڑی بی کہاں ہیں۔
بچن میں ہیں۔

جی ہاں، ابھی تو ہوئی ہے۔
میں محمودہ کو نوہ لگ گئی۔ کتنے لگی۔
زیب سے زیادہ واقفیت معلوم ہوتی ہے۔
غزالہ تو زیب کی بہت زیادہ گہری سہیلی ہے۔ انہوں نے ہی خیریت معلوم
کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ زلفن سمجھ گئی تھی۔
میں محمودہ چلی گئی تو بڑی بی نے ایک اور خوراک زیب کو پلائی۔ اس کا
بخار کچھ کم ہو گیا تھا۔ کتنے لگی۔
تم سے کہا تھا بڑی بی، ڈاکٹر کو مت بلانا مگر تم نے بھلا لیا۔
میں کہاں لائی بیٹی، وہ تو عادل یہاں آئے تھے۔
کیا؟ زیب بری طرح چوکی۔
ہاں بیٹی، عادل میاں یہاں آئے تھے۔ ابھی تو گئے ہیں۔
تم نے انہیں کیوں بلا لیا۔ زیب آہستہ سے بولی۔
اے لو بیٹی، میں بھلا کیسے انکار کرتی۔ وہ چڑا سی کے ساتھ اندر چلے آئے۔
کافی دیر بیٹھے رہے۔ وہی ڈاکٹر کو بلا کر لائے تھے۔
بہت برا ہوا بڑی بی۔ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو میں کہیں کی نہیں رہوں
گی۔
کیا ہوا بیٹی، آخر کوہہ...
نہیں بڑی بی، تم نہیں جانتیں کہ میں نے کیا ذلت اٹھائی ہے۔
کیا بیٹی؟
ان کو یہاں نہیں آنا چاہیے۔ آئندہ وہ اگر آئیں تو خدا کے لیے انہیں
مت بلانا۔ میں سکول میں رسوا ہو جاؤں گی۔
اجھا بیٹی، میں منع کر دوں گی۔ وہ کہہ گئے تھے صبح آنے کو۔
تم کہہ دینا کہ میں انہیں نہیں ملوں گی۔
اجھا اچھا، کہہ دوں گی۔ اب زیادہ باتیں نہ کرو۔ تمہاری طبیعت پہلے ہی
ٹھیک نہیں۔

کل آپ کو دیکھ کر گھبرا گیا تھا۔ ان کی نظروں میں پیار تھا۔
جی۔ اس کا مطلق شک ہو گیا۔

تم گھبرا کیوں رہی ہو۔ ان کے لیے میں اپنائیت نے زیب کے دل میں گویا
شکاف کر دیا تھا۔

غزالہ کیسی ہے؟ وہ ہنسنے لگی۔

معلوم نہیں۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

کیا مطلب؟

مطلب یہی کہ مجھے کیا مجھ سے میری غزالہ کا حال پوچھ لو۔ میری غزالہ
رات پیار ہو گئی تھی۔ اب خدا کے فضل سے اچھی ہے۔ میں کسی دوسری غزالہ
کو کیا چاہوں۔

آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ زیب آہستہ سے بولی۔

پھر کیسی باتیں کی جائیں۔ عادل نے زیب کا زرد سا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے
جلدی سے ہاتھ چھڑا لیا اور بولی۔

آپ آئندہ یہاں باکل نہ آئیں۔ عزت ہی تو ایک سرمایہ ہے میرے پاس۔
اسے مت چھینے گا۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو میں رسوا ہو جاؤں گی۔

زیب، جنہیں بھلا اس سروس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ میں دنیا کی تمام
آسائشیں تمہارے قدموں میں ڈیر کر دوں گا۔

ایسا نہ کہئے۔ زیب نے چہرہ ہاتھوں سے چھپا لیا۔

مگر کیوں؟

میری بڑھنسی ٹھہرنے۔ میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتی۔

جنہیں ڈر کس بات کا ہے۔ عادل ہنسنے لگی سے بولے۔

آپ نہیں سمجھیں گے۔ مگر میں آپ کو اپنی عزت کا واسطہ دیتی ہوں۔
آئندہ کبھی مجھ سے ملنے کا خیال بھی دل میں مت لائیے اور ... اور غزالہ بھی کچھ ہو

جائیے۔

زیب۔ عادل تڑپ گئے۔

ہاں خدا کے لیے۔ اگر آپ کو مجھ سے ذرا سا بھی لگاؤ ہے یا تھا، تو آپ کو
اسی کی قسم، میرا خیال دل سے نکال دیں۔ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔
جانتی ہو تم نے لندن میں جو خط مجھے لکھا تھا۔ اس میں تم نے اعتراف کیا
تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔

وہ میری نادانی تھی۔

نادانی نہیں دل کی آواز کو۔

اگر وہ دل کی آواز تھی تو میں نے اسے دیا کیا ہے۔

مگر میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میرے لیے تمہارا اعتراف مطلق راہ ہے۔ میں
اس کے سارے جنہیں جیت لوں گا۔

اسے کوئی بھی تو برداشت نہیں کر سکے گا۔ زیب رو دی۔

مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ تم میرا ساتھ دو تو میری راہ کا ہر کٹنا پھول بن
سکتا ہے۔

نہیں نہیں، آپ جانیے۔ جانیے اور پھر کبھی یہاں نہ آئیں۔ مجھ پر رحم
کریں۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

زیب۔ عادل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

آنسوؤں سے تر آنکھیں کھول کر اس نے بڑی حسرت سے دیکھا۔

اپنے آپ کو برباد مت کرو۔

آپ کو میری بربادی کی کیا فکر؟

میں خود برباد ہو جاؤں گا۔ تم نہیں جانتی۔ میں جو کچھ چاہوں گا، میرے گھر
والوں کو اس پر اعتراض نہ ہو گا۔

مگر میں ایسا نہیں چاہتی۔

جنہیں مجھ سے محبت نہیں۔ عادل نے عجیب سا سوال کر دیا۔

وہ خاموش سی ہو گئی۔

جواب دو نا۔ اس سوال کا جواب صحیح صحیح دے دو۔ بخدا میں چلا جاؤں گا
اور پھر کبھی نہ آؤں گا۔

وہ کچھ دیر عادل کو دیکھتی رہی پھر جی کڑا کر کے بولی۔
نہیں۔

عادل کا خوبصورت چہرہ مجھ سا گیا۔

بچ۔

بالکل بچ۔ اس کی آواز رقت میں ڈوب گئی۔

عادل کا چہرہ یوں نظر آ رہا تھا جیسے چاند ڈوب رہا ہو۔

وہ کچھ دیر بڑے درد سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر ہارے ہوئے جواری کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر نکل گئے۔

زیب نیکی میں منہ چمپا کر پھوٹ کر رونے لگی۔

بڑی بی ناشتہ لے کر آئی۔ زیب کو روتا دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئی۔ کیونکہ اس نے عادل کو آتے دیکھ لیا تھا۔ زیب کا سراپنی گود میں رکھ کر وہ بچوں کی طرح اسے تھپتھپانے لگی۔

○



غزالہ کافی دن نیکی میں رہی۔ لیکن عادل ایک مرتبہ بھی نہ آئے۔ اس کی ماں آکر اس کو لے گئی۔ عادل آج کل بے حد پریشان رہا کرتے تھے۔ سارا وقت بارہ دری میں گزرتا یا پھر کالے کے زیب کے ہوسل کے آس پاس چکر لگایا کرتے۔

شام ہو چکی تھی۔ جب وہ محل آئے تو معلوم ہوا کہ غزالہ آچکی ہے اور بیگم صاحبہ نے عادل کو یاد کیا ہے۔
عادل بڑے کمرے میں آگئے۔ بیگم صاحبہ صوفے پر بیٹھیں تھیں۔ پاس بٹھا لیا اور کہنے لگیں۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج کل نصیب دشمنان کچھ پریشان ہو۔

کچھ بھی تو نہیں امی حضور۔ آپ کو وہم ہو گیا ہے۔

ہماری نظروں سے یہ پریشانی چھپی نہیں رہ سکتی۔

بھائی۔ آج بھائی آگئیں۔ جہاں آرا کرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

ہوں۔ وہ خاموش رہے۔

مجھ میں نہیں آتا کہ پہلے تو شادی کے لیے اتنی بے چینی کہ لندن سے واپس آگئے اور کہاں اتنی بے اعتنائی کہ سرال ایک مرتبہ بھی نہیں گئے۔ بیگم صاحبہ ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔

میں شرمندہ ہوں امی حضور۔

مگر بیٹا! ایسی کیا بات ہو گئی آخر۔

کچھ بھی تو نہیں۔

اچھا، خیر ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اب غزالہ آگئی ہے اور اسے شکایت کا موقع نہ ملے۔

جی کو شش کروں گا۔ وہ آہستہ سے بولے۔

پھر کتنے لگیں۔

غزالہ کی پرورش بہت زیادہ جاہلانہ ماحول میں ہوئی ہے۔

وہ خاموشی سے اٹھ گئے۔ اپنے کمرے میں آئے۔ دیکھا غزالہ صوفے پر بیٹھی کینیز سے اپنا سر دبا رہی تھی۔

انہیں دیکھ کر کینیز چلی گئی۔ وہ سامنے بیٹھ گئے اور بولے۔

اچھی تو ہیں آپ۔

ہاں، بس ایک مرتبہ ڈر گئے تھے ہم۔ اماں حضور نے بڑے پیر کا روزہ رکھوایا تھا، ٹھیک ہو گئے۔

عادل نے سوچا کہ غزالہ اس سے گلہ کرے گی کہ وہ کیوں نہیں آئے مگر ایسی بات نہیں تھی۔

میں تو ڈر نہیں لگتا۔ وہ مسکرا کر بولے۔

میں پر سفید چیزیں دیکھ کر ہمیں وحشت ہوتی ہے اور کچھ نہیں۔

اسے ہٹا دیں گے اور کون سا رنگ پسند ہے آپ کو وہی لگوا دیا جائے گا۔

ہمیں... اس نے شرما کر پلو دانتوں میں دبا لیا۔

ہاں، آپ اپنی پسند بتائیے۔ ہم دیا ہی بنا دیں گے۔ عادل نے کہا۔

ہمیں سرخ، تیز کاسنی اور نارنجی۔ ہم نے اپنے کپڑے بھی ایسے رنگوں کے

ی بنوائے ہیں۔ وہ جلدی جلدی بولی۔

اچھا، ایسا ہی سہی، ہاں اپنے اور شغل بھی بتائیے۔ آپ کچھ کھیل وغیرہ میں

بھی دلچسپی لیتی ہیں۔ میرا مطلب ہے تاش...

تاش، توبہ، توبہ، غزالہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

کیوں کیا برائی ہے؟

وہ توجہ نہ دیتا تھا۔ ہم تو ہاتھ بھی نہ لگائیں گے۔

اچھا تو پھر کوئی اور کھیل۔ کیرم، لڈو، دو سری۔ عادل نے کئی کھیلوں کے نام منوائے۔

تب غزالہ ہنس کر بولی۔

یوں کہنے نا، ہم تو گڑبڑوں کے کھیل کھیلا کرتے ہیں۔ اگر آپ ہم سے کھیلیں گے تو گڑبڑ آپ کی ہوگی اور گڑبڑ ہمارا۔

عادل اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

غزالہ گھبرا گئی۔ بولی۔

سر میں درد ہو رہا ہے کیا؟

جی ہاں، کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ عادل نے کہا۔

تو بلاؤں شہو کو۔ سر میں بادام روغن ڈال دے گی۔

نہیں، نہیں، ایسا خاص درد نہیں ہے۔ عادل پلنگ پر لیٹ گئے۔



وہ سوچ رہے تھے کہ غزالہ بالکل معصوم ہے۔ اسے کچھ نہیں معلوم۔ کہنے لگے غزالہ آؤ تم خود ہمارا سر دبا دو۔

میں... غزالہ حیرت سے بولی۔

ہاں، کیا ہرج ہے۔ وہ مسکرا کر بولے۔

میں تو کبھی بھی نہ دباؤں گی۔ میں نواب کی بیٹی ہوں ایسے کام کبھی نہیں

کیے میں نے۔ وہ غلک کر بولی۔

عادل کا دل بھج سا گیا۔ خاموشی سے لیٹ گئے۔ غزالہ کو بھی غصہ آیا ہوا

تھا۔ وہ خیال کر رہی تھی کہ عادل نے اسے کینیز خیال کیا ہے شاید۔

عادل کی نگاہوں میں زیب کا دکھی چہرہ آگیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ غزالہ سے کہنے لگے۔

آپ کو یہ بات بری لگی ہے۔

بالکل بری لگی ہے۔ میں کوئی کتیر ہوں۔ وہ غصے سے بولی۔

اچھا بھئی آئندہ نہیں کہیں گے۔ ہم کیرم بورڈ منگواتے ہیں۔ آپ کو کھیلنا سکھاتے ہیں۔ کھیلنے کی نا آپ؟ عادل نے کہا۔

کیرم بھی کوئی کھیل ہے۔ مردوں والے کھیل کھیلا کریں نا آپ۔

کون سے کھیل؟

کبوتر بازی، چنگ بازی اور کتیروں سے چھڑ چھاڑ۔

غزالہ... عادل حیران رہ گئے۔ بولے۔ یہ مردوں کے کھیل ہیں؟

اور کیا، نواب لوگ تو ایسے ہی کھیل کھیلا کرتے ہیں۔ آپ بھی ایسے ہی

کھیل کھیلا کریں نا۔ وہ ہنس کر بولی۔

غزالہ۔ وہ اپنے دل پر جبر کر کے بولے۔

جی۔

آپ نے ہمیں دھوکے میں کیوں رکھا۔ کیوں غلط خط لکھے تھے ہمیں؟

آپ نے پہلے لکھے تھے، پھر زیب نے جواب لکھ دیا۔

تو یہ کیوں نہ لکھا کہ آپ خط اپنی سہیلی سے لکھواتی ہیں؟

مذاق کو جی چاہا تھا۔ سوچا آپ کو جب معلوم ہو گا کہ غزالہ پڑھی لکھی

نہیں ہے تو آپ اچانک کتنے خوش ہوں گے۔

کیوں، خوشی کیوں ہوگی؟ عادل نے چل کر کہا۔

پڑھی لکھی بیوی میں حیا تھوڑی ہوتی ہے۔ غزالہ نے کہا۔

عادل خاموش ہو گئے تو غزالہ بولی۔

خوش ہوئے نا آپ؟

جی ہاں، بہت خوش ہوا۔ عادل طنز سے کہنے لگے۔

غزالہ نے اپنی مڑیوں کی شادی کا پورا قصہ چھیڑ دیا۔

عادل دل پر جبر کیے سنتے رہے۔ پھر اپنی مخصوص بارہ دری میں نکل آئے۔ ان کا دل بے حد اداس تھا۔ دل چاہا کہ اسی وقت زیب کے پاس چلے جائیں اور یہ ہی ہوا۔

کار لے کر ساٹھ کی پیٹ میں وہ شہر پہنچ گئے۔ زیب کے ہوشل کے دو چکر لگائے۔ مجبور تھے۔ اندر بھی نہ جاسکتے تھے۔ رات ہو چکی تھی۔ میونسپلٹی کی بتیاں جل اٹھی تھیں۔ انہوں نے دیکھا کہ گیت سے دو استائیاں باہر نکلی ہیں مگر زیب ان میں نہیں تھی۔ انہوں نے کاری اور واپسی کے لیے پل پڑے۔

○

زہب کی زندگی معمول پر آگئی تھی۔ وہ سکول جانے لگی تھی۔ ایک بہت بڑا فرق آگیا تھا اس میں۔ وہ بے حد اداس رہتی تھی۔ آنکھیں جیسے ہر دم بھرائی ہوئی ہوں۔ ہنسا جیسے بھول ہی گئی تھی۔

اس روز وہ آدمی چھپی کے وقت شاف روم میں بیٹھی ہوئی تھی کہ مس جواہر نے اسے گھور کر دیکھا اور بولی۔

کیا بات ہے مس زیب۔ آج کل بہت پریشان دکھائی دیتی ہیں؟ کوئی بات نہیں، یونہی آپ کا وہم ہے۔ زیب ہچکلی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

ہاں واقعی، مس جواہر نے ٹھیک اندازہ لگایا ہے۔ میں بھی یہی محسوس کر رہی ہوں۔ مس قیوم نے کہا۔

کس نواب عادل کی شادی میں کسی پر دل تو نہیں آگیا؟ سعیدہ عیک ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

زہب یوں چونکی جیسے چوری کرتے ہوئے موقع پر پکڑ لی گئی ہو۔

اچھا۔

فیروزہ اسے خود ہوٹل تک لے کر آئی اور اسے پٹنگ پر لٹا کر بولی۔
کیا بات ہے زیب۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا غم تمہارے ساتھ چٹ گیا ہے۔

فیروزہ۔ وہ رو پڑی۔

تم مجھے غیر سمجھتی ہو۔ تا دو نا۔ یوں تو مرجاؤ گی۔

مرجانے دو مجھے۔ وہ تڑپ کر بولی۔

کیوں آخر؟

کچھ نہیں فیروزہ، کچھ بھی نہیں۔ میں لاوارث اور یتیم لڑکی ہوں۔ دنیا جو چاہے مجھے کہہ لے۔ میرا کون ہے جو میرے لیے لڑے گا یا کون ہے جو میرے لیے روئے گا۔ کسی کا دل میرے لیے نہیں دکھے گا۔ وہ بچکیاں لیتے ہوئے بولی۔
ایسا نہ کہو زیب۔ تم اپنا خود کمانی ہو۔ اپنی خود مختار زندگی ہے تمہاری۔
کس بات کا تمہیں غم ہے؟

فوزی لوگ چاہیں تو جلد ہی مجھ پر باتیں کر لیں گے۔

ارے ابھی سے ان باتوں کی سوچ، کسی کی ہمت ہے تم سے بات کرے۔

پگلی ہو تم بھی۔ چلو آنو صاف کرو۔ پسلی ہی طبیعت خراب ہے تمہاری۔

زیب خاموش لیٹ گئی تو فیروزہ اٹھتے ہوئے بولی۔

تم آرام کرو۔ میرا بیڑا ہے۔ میں جاتی ہوں پھر آؤں گی اور بیڑے سے بھی کہہ دوں گی۔

وہ چلی گئی تو زیب کے دل میں ہزاروں دوسرے اٹھنے لگے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ سکول میں بھی یہ بات پھیل جائے گی۔

○

بات تو کچھ ایسی ہی معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد جنتے ہوئے بولی۔
ارے تم لوگوں نے کچھ سنا۔ مس قیوم نے کہا۔
کیا؟

نواب عادل کی شادی میں کسی مہمان لڑکی نے ان کا ہار چرا لیا تھا۔
ہائے ہائے، کیسے، ہم نے تو نہیں سنا۔ سیدہ نے کہا اور زیب کا دل جیسے دھرکنے بھول گیا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔
پھر؟ نیچروں کو کرید لگ گئی۔
پھر کسنت موقع پر پکڑی گئی۔

ہائے ہائے، کیا ذلت ہوئی ہو گی۔ ایک آواز آئی۔

توبہ خدایا، ہو گی کوئی سچ۔ نوابوں کے ہاں چوری کر لی۔

کون تھی؟ ارشاد نے پوچھا۔

معلوم نہیں، کل میں حسن آرا کی سالگرہ پر گئی تھی۔ وہیں باتیں ہو رہی تھیں۔ پوچھوں گی حسن آرا سے۔ مس قیوم نے گویا زیب کے کانوں میں پھسلا ہوا لاوا پٹکا دیا تھا۔

ارے اس سے کیا پوچھو گی۔ مس زیب سے پوچھ لیتے ہیں۔ یہ بھی تو سہی

تھیں نواب کے محل میں غزال کے ساتھ۔ سیدہ نے کہا۔

ہاں واقعی، زیب تم تا دو نا۔ فیروزہ نے کہا۔

میں، میں کیا بتاؤں۔ مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ اس کی آواز جیسے بہت دور سے آرہی تھی اور زبان لڑکھارہی تھی۔

کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔ ارشاد نے کہا۔

مجھے پھر آ رہا ہے۔ زیب نے اپنا سر تھام لیا۔

لیٹ جاؤ۔ ابھی تمہیں ہوٹل بھیج دیتے ہیں۔ بخار کے بعد طبیعت ابھی اعتدال پر نہیں آئی نا۔ مس قیوم نے اسے لٹا دیا۔ فیروزہ پانی لے آئی۔ زیب کو پانی پلایا۔ وہ لیٹی تھی اور نیچروں نے پھر وہی قصہ چھیڑ دیا۔ تنگ آ کر زیب بولی۔
مجھے چڑھائی کے ساتھ ہوٹل بھجوا دیں۔

خدا سمجھے نواب عادل کو۔ اتنی سی بات کا اتنا بڑا انتقام۔
بس یہی ہے میری رسوائی اور بدنامی کی داستان۔ وہ آنسو پونچھتے ہوئے
بولی۔

ظلمی تمہاری بھی تھی زیب۔ تم اسے صاف لکھ دیتیں۔
یہ ہی تو روتا ہے۔ یہی نہ بتا سکی۔ مجھے کیا معلوم کہ اس کا نتیجہ اتنا بھیاک
ہو گا۔

اب کیا ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں یہ بات سارے سکول میں پھیل گئی
ہے۔ فیروزہ نے گویا اس کے سر پر ہتھوڑا مارا تھا۔
اب میں کہاں جاؤں گی فیروزہ؟ وہ بچا رنگی سے بولی۔
میں ہیڈ مسٹرس سے بات کروں گی۔ فیروزہ نے کہا۔
تھکنی جج بچی تھی۔ وہ دونوں برآمدے کی طرف مڑ گئیں۔ بچہ اپنی اپنی
کلاسوں کی طرف جانے لگیں۔ اس کی آنکھیں رونے سے سوج گئی تھیں۔ وہ
بھی اپنی کلاس کی طرف جانے لگی کہ چڑاسن آگئی۔ کہنے لگی۔
آپ کو بڑی مس نے دفتر میں بلایا ہے۔
اس کے قدم لڑکھڑکے۔

مجھے؟
جی ہاں، ابھی۔
چلو، وہ آہستہ آہستہ دفتر کی طرف جانے لگی۔ گویا چھانسی کا حکم سننے جا رہی
تھی۔

میں اندر آسکتی ہوں۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ بولی۔
آئیے، ہیڈ مسٹرس نے رجسٹر سے نظر اٹھائے بغیر کہا۔
بیٹے۔

وہ بیٹھ گئی تو وہ بولیں۔
میں زیب، میں نے جو سنا وہ کہاں تک ٹھیک ہے؟
بالص ناطہ ہے۔ مجھ پر الزام ہے۔



اور ... وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ اگلے دن جب وہ سکول گئی تو بچہوں کی
عجیب و غریب نظریں پڑ رہی تھیں اس پر۔ ان نظروں میں بہت کچھ ہونے کے
ساتھ ایک بچا لگی بھی تھی۔ صرف فیروزہ ایسی تھی جس کی نظروں میں وہی پیار،
وہی محبت تھی۔ وہ اسے ایک کونے میں لے گئی اور کہنے لگی۔
تو یہ بات تھی، تم نے مجھ سے بھی چھپالی۔ مگر یہ سب کچھ ...

کیا فیروزہ؟ وہ ڈر کر بولی۔

کل جب میں واپس شاف روم میں آئی تو اچانک حسن آرا جس کی سالگرہ
ہوئی تھی، آگئی۔ مس قیوم نے اس سے پوچھ لیا کہ نواب عادل کے ہار کی
چوری کس نے کی۔ اس نے بتایا کہ غزالہ کی سہیلی زیب نے، اور تمام باتیں
بتائیں۔ سارا شاف حیران رہ گیا۔ تمہاری طبیعت کی خرابی کو بھی لوگوں نے اسی
پر منسوب کیا۔ مجھے تو اب بھی یقین نہیں آتا۔

فیروزہ مجھ پر الزام تھا۔ میں بالکل بے تصور ہوں۔ وہ روتے ہوئے بولی۔
آخر ماجرا کیا ہے؟

نواب عادل نے خود مجھ پر الزام لگایا ہے۔

مگر کیوں، انہیں تم سے کیا دشمنی تھی؟

تب زیب نے غزالہ کی منگنی، خٹوں کا سلسلہ اور شادی سے ہار کی چوری
تک کا قصہ فیروزہ کو بتایا۔ اس کی داستان میں آنسو بھی تھے اور ہچکچاہٹیں بھی
تھیں۔

دیکھتے مس زیب۔ چاہے وہ غلط ہے مگر اس میں سکول کی بدنامی ہے۔ لوگ آپ کو تو کچھ کہتے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ فلاں سکول ن پچر ہے اور میرے سکول کی بدنامی ہے۔

مگر مس صاحبہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ میں قسم کھاتی ہوں۔

بچے میں اس کا یقین کیے لیتی ہوں مگر اور لوگ کیونکر کریں گے۔ منہ سے نکلی ہوئی بات کو آپ کبھی نہیں چکڑ سکتیں مس زیب۔ کہتے ہیں اڑی اڑی طاق پے جا بیٹی۔ وہی مثل ہے یہ۔

تو پھر مس... وہ آہستہ سے بولی۔

مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ اپنا کہیں اور انتظام کر لیں۔

مس، میرا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ یہ سکول ہی میرا سارا ہے۔ میں کہاں جاؤں گی۔ خدا کے لیے آپ کچھ غور کریں۔ اس کے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔ مجھے افسوس ہے مس زیب۔ اور آپ یہ بھی تو خیال کریں کہ اگر آپ اس سکول میں رہ بھی گئیں تو آپ کی کیا وقعت ہو گی۔ زندگی تلخ ہو کر رہ جائے گی۔ اساتذہ کا اور طلباء کا طرز اور باتیں برداشت کر سکیں گی آپ؟

جی۔ اس نے آنسوؤں سے تر چلیکیں اٹھائیں۔ اسے ہیڈ مسٹرس کی بات صحیح معلوم ہوئی۔ واقعی اگر وہ سکول میں رہ بھی گئی تو زندگی اور زیادہ تلخ ہو جائے گی۔ بدنامی کا جو داغ اس کے دامن پر لگ گیا تھا اسے بھلا کون مٹا سکتا تھا۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔

مجھے آپ سے گہری ہمدردی ہے۔ بہتر یہ ہو گا کہ آپ یہ شہری چھوڑ دیں۔ ماشاء اللہ آپ کی تعلیم اچھی ہے۔ آپ کو ہر جگہ مدرس مل سکتی ہے۔

جی بہتر۔ وہ درو سے بولی۔

تو پھر آج ہی آپ کو قدارغ کیے دیتی ہوں۔ ہیڈ مسٹرس نے گھنٹی بجائی۔

چھڑا ہی اندر آیا تو وہ کہنے لگیں۔

کلرک سے کہو، مس زیب کا حساب کر دے اور ان کی جو تنخواہ بنتی ہے،

بجھ دے۔

وہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔ مگر دل میں نشتر چھ رہے تھے۔ طلق میں ایک دھواں سا بھر گیا تھا۔

کچھ ہی دیر میں کلرک اس کی تنخواہ لے آیا۔ اس نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے روپے لیے اور ہیڈ مسٹرس کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل آئی۔ سکول کے گراؤنڈ سے گزر کر وہ شاف روم میں آئی۔ سب ٹیچرز کلاسز میں تھیں۔ اس نے چاہا کہ وہ آخری مرتبہ فیروزہ سے مل لے۔ وہ ہی تو اس کی ٹیگنر سیکلی رہی ہے۔ ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی سوچا کہ وہ اس دکھ کو برداشت نہ کرے گی۔ ضرور کوئی ہنگامہ ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گھر لے جانے کے لیے کہے اور ان پر بوجھ ڈالنا اچھا نہیں۔ کیا فائدہ۔ خود تو حیران نصیب ہوں دوسروں کو کیوں پریشان کروں۔

بڑے دکھ سے اس نے ان جگہوں پر نظر ڈالی جن کے ساتھ اس کا ساتھ رہا تھا۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور ہوٹل کی جانب چل دی۔ زلفن کرہ صاف کر رہی تھی۔ بے وقت آتا ہوا دیکھ کر بولی۔

سب خیریت ہے نا؟

ہاں، بڑی بی سب خیریت ہے۔ وہ ضبط کرتے ہوئے بولی۔

تمہارا چہرہ بتاتا پڑ گیا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ بڑی بی گھبرا گئی۔

تم سامان باندھو۔ ہم کو آج ہی یہاں سے جانا ہے۔ وہ بھاری آواز میں بولی۔

کہاں اور کیوں، کچھ بتاؤ تو سی۔

میری نوکری چھوٹ گئی ہے۔ ہم نے آج ہی جانا ہے۔ بس اور سوال نہ پوچھو۔ بعد میں بتاؤں گی۔ تم سامان باندھ لو جلدی سے۔ اس کے آنسو اٹھنے چلے آ رہے تھے۔

بڑی بی حیران حیران سامان باندھ گئی۔ ان کا سامان ہی کیا تھا۔ سارا سامان تو زیب نے اپنے گھر بند کیا ہوا تھا۔ تھوڑا سا ضروری سامان تھا جو دونوں نے مل کر جلدی سے باندھ لیا۔ بڑی بی نے غاسٹوں کو جیکسی لانے کے لیے کہا۔

سرال مٹی تھی نا۔ وہاں مجھے نہیں معلوم تھا، میں واپس آنے والی تھی کہ کسی نے نواب عادل کا ہار میرے بسک میں ڈال دیا اور مجھے خبر بھی نہ تھی۔ میری تلاش لی گئی اور ہار میرے بسک سے نکل آیا۔ میں غصے سے لرز گئی۔ میری ذلت میں نواب عادل کا زیادہ ہاتھ ہے۔ بڑی بی میں نکل آئی ذلیل ہو کر۔ اس انعام نے مجھے برباد کر دیا۔

ہائے ہائے! یہ کیسا ظلم ہے۔ بڑی بی نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔
وہ خبر آج کی طرح پھیلی جارہی ہے بڑی بی۔
اے بے انہیں تمہارے ساتھ کیا دشمنی تھی۔ بڑی بی کی آواز غصے سے لرز رہی تھی۔

میں کیا جانوں۔ وہ پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔
یہ نواب لوگ ہوتے ہی یوں ہیں۔ میں جانتی ہوں اسے! تو کیا غزالہ نے
کچھ نہیں کہا۔ وہ تو چچی رہتی تھی تمہارے ساتھ۔
وہ کیا کہتی۔ مگر بڑی بیگم اور نواب صاحب سب ہی مجھے چور سمجھتے گئے۔
زیب کی آواز بھرا مٹی۔

ہائے ہائے! خدا کا قہر ٹوٹے ان پر۔ بڑی بیگم کی عقل پر پتھر بڑ گئے تھے۔ وہ
تمہیں اپنی بیٹی سمجھتی تھیں اور نواب صاحب تو بہت اچھے ہیں۔ انہیں کیا ہوا۔
بڑی بی کے ماتھے پر تیرہ ٹیڑیاں پڑ گئیں۔

بیٹی کے سرال میں سب کی محبت ختم ہو گئی تھی۔ زیب نے کہا۔
اے ہے۔ محل دیکھ کر سب کے سب ہی پاگل ہو گئے۔ اچھے برے اور
کھوٹے کھرے کی تمیز ہی جاتی رہی۔ بڑی بی کے آنسو نکل آئے۔
ان کا کوئی قصور نہیں بڑی بی۔ میرے نصیب ہی ایسے ہیں۔

انہیں تو معلوم ہی تھا۔ کیا شکیا گئے تھے۔ تم چھوٹی سی بیٹی تھیں جب سے
لمبے جانتے ہیں۔ اللہ کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے تمہارے ماں باپ کو۔
ن کے خون کو تو پچھاتے تھے۔ وہ لوگ کیسے نیک تھے۔ ان کا ہی خیال کیا ہوتا۔
اے ہے! بن ماں باپ کی بیٹی پر ایسا ظلم۔ بڑی بی کے آنسو تھمتے نہ تھے۔

زیب وارڈن - سے کہہ کر باہر آ گئی۔ نیکی آ چکی تھی۔ سامان رکھا گیا۔ زیب
نے اپنے گھر کا پتہ بتایا۔ تھوڑی دیر میں وہ گھر پہنچ گئیں۔

تالے کو تنگ لگ چکا تھا۔ زیب نے تالا کھولا۔ ہرچیز اسی طرح تھی۔ اسے
اپنے ماں باپ یاد آ گئے۔ وہ کمرے میں پہنچ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ آنسو ختم ہو
گئے تھے۔ خاموش خاموش چھت کو گھورتی رہی۔ بڑی بی نے سامان اتروایا۔

دوپہر ہو چکی تھی۔ وہ زیب سے پوچھے بغیر باہر نکل گئی۔ کچھ سبزی اور
نانیائی سے روٹیاں لیں۔ انڈے لیے۔ اسے معلوم تھا کہ ابھی تک زیب نے
سوائے ایک کپ چائے کے اور کچھ نہیں کھایا پیا تھا۔ گھر آ کر اس نے جلدی
سے انڈے پکائے۔ سبزی پکائی اور رُے میں کھانا رکھ کر اندر لے آئی۔ کتنے
لگی۔

لو انھو! منہ ہاتھ دھو لو اور تھوڑا سا کھا لو۔

وہ چپ چاپ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ تل چل رہا تھا۔ تھوڑا سا پانی منہ پر ڈالا
اور تولیے سے منہ صاف کرتی ہوئی پلنگ پر آ بیٹھی۔
تم بھی کھا لو بڑی بی۔

تم کھاؤ بیٹی! میں بھی کھا لیتی ہوں۔

کھانا کھاتے ہوئے اسے خیال آیا کہ اس نے بڑی بی کو کچھ بھی نہیں بتایا۔
کتنے لگی۔

بڑی بی، تمہیں معلوم ہے میری نوکری کیوں چھوٹی۔

تم کھانا کھاؤ۔ اطمینان سے بتانا۔

کھانا بھی کھا رہی ہوں بڑی بی۔ نوکری اس لیے چھوٹ گئی کہ میں چور ہوں
اور چور کس طرح رکیوں کو پڑھاتے گی؟

کیا کہہ رہی ہو یہ۔ بڑی بی کو زیب کے دماغ میں خرابی کا احساس ہوا۔

ہاں بڑی بی! نواب عادل کے منہ سے نکلا ہوا ہر لفظ میرا عقدر بن گیا ہے۔

بیٹی! مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔

بڑی بی! اس کے آنسو گرنے لگے۔ بڑی بی جب غزالہ کے ساتھ اس کے

زیب سے کھانا چھوٹ گیا تھا اور دل پر آرنے چل رہے تھے۔ جس سکول میں اتنی عزت تھی۔ وہاں کا بچہ بچہ اسے چور سمجھے گا۔ اس کی تمام عزت خاک میں مل گئی تھی۔

اسے ہے تو یہ نواب عادل کو کیا سوچھی۔ بڑی بی نے پوچھا۔

معلوم نہیں، زیب اسے خطوں والی بات نہ بتا سکی۔

اس روز تم بیمار تھیں تو کتنی دیر تک بیٹھے رہے۔ ڈاکٹر کو لے کر آئے۔
تو بہ تو بہ کیا زمانہ ہے۔ ہم نے یہ پچھن نہ دیکھے تھے۔ خود ہی مارنا اور خود ہی علاج کرانا۔ واہ رے زمانے۔ ارے تم نے کچھ نہیں کھایا۔ کھانا جوں کا توں دیکھ کر بڑی بی کو خیال ہوا۔

بھوک نہیں، اٹھاؤ۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔

بڑی بی نے اسے اٹھا کر باہر لکل گئی اور وہ چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ غم کی وجہ سے اسے بالکل چین نہ آ رہا تھا۔

○



عادل پریشان تھے۔ غزالہ کی باتوں سے انہیں الجھن ہوتی۔ غزالہ اور ان کا جوڑ نہیں تھا۔ اس بات کو تمام گھر والے محسوس کر رہے تھے مگر غزالہ کو خود کوئی احساس نہ تھا۔ وہ سارا وقت اس گھمنڈ میں مگن تھی کہ نواب کی بیٹی ہے اور بہت بڑے نواب کی بیوی ہے۔

عادل کار لے کر زیب کے ہوٹل کی طرف نکل آئے۔ صبح کا وقت تھا۔ انہوں نے سمجھا کہ زیب اس وقت سکول میں ہو گی۔ کیوں نہ ہیڈ مسٹرس کے سامنے بلوا کر اس سے بات کی جائے۔ ہوٹل جانا تو منع ہے مگر ہیڈ مسٹرس سے کیا کہا جائے۔ وہ خود ہی سوچنے لگے۔ پھر جیسے سوچنے لگے۔ یہ سہل بھی حل کر دیا۔ تب وہ سکول کی جانب چل دیے۔ زیب کو دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں بے چین تھیں۔ ہیڈ مسٹرس کے کمرے کی دہلیز پر پہنچ کر انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ ہیڈ مسٹرس نے بلایا اور کہا۔

تشریف رکھیے۔

جی شکریہ۔ عادل کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ میں نواب عادل ہوں۔ اپنی بیوی کے کچھ پیغامات ہیں، مس زیب سے کہنے ہیں۔

نواب عادل۔ ہیڈ مسٹرس نے چونک کر غور سے ان کی طرف دیکھا۔ پھر بولی۔

مس زیب سے اب بھی ملنا چاہتے ہیں آپ؟
جی کیا مطلب؟

میں بالکل بچ عرض کر رہی ہوں۔ اس بدنامی کی وجہ سے اسے سکول سے الگ کر دیا گیا ہے۔ میں جانتی تھی نواب صاحب کہ یہ خبر سن کر وہ لڑکی کتنا روئی ہے۔ اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ سارے سکول میں یہ خبر پھیل گئی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی مگر اس کے آنسو نہ جہتے تھے۔ مگر گواہ اس نے فریاد کی کہ اسے اس نوکری سے الگ نہ کیا جائے۔ اس بچاری کا کوئی سارا بھی تو نہیں۔ اتنا اچھا ریکارڈ ہے اس کا۔ کام میں بھی اور سیرت میں بھی۔ مگر میں بھی تو مجبور تھی۔ وہ بچوں کے طعنوں سے بچ جاتی تو استائیاں طعنے دے دے کر مار ڈالتیں۔

عادل کے دل میں جیسے ہیڈ مسٹرس تیز کر کے چھریاں چلا رہی تھیں۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ کہنے لگے۔
اف، کتنی بڑی غلطی ہوئی۔ گناہ عظیم۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں وہ یہاں سے کہاں گئی ہیں۔

مجھے کچھ علم نہیں، ویسے اسی دن اس نے ہوٹل چھوڑ دیا تھا۔
تب وہ ہیڈ مسٹرس کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔
کار لے کے شادی کے بعد پہلی بار سسرال آئے۔ بیگم صاحبہ دیکھ کر پھول کی طرح کل گئیں۔ لگ گئیں خاطر مدارت میں۔ صبا ت گھر پر ہی تھے۔ وہ بھی بنوئی کے پاس آئے۔ بڑے تپاک سے ملے۔ بے وقوفی اور بور باتوں میں وہ بہن سے چار قدم آگے تھے۔ عادل ہوں ہاں کرتے مگر ذہن میں زیب کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ آخر کمرہ اٹھے۔

صبا ت بھائی، زیب کا مکان کہاں ہے؟
آپ فکر نہ کریں بھائی صاحب، آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔ آپ کے چور سے ہم خوب بدلہ لے رہے ہیں۔
کیا بدلہ؟

ہم نے اپنے ایک بڑے کلمے دوست کے ذریعے اخبار میں بھی خبر نکھڑا دی ہے اور ہمارے جاسوس نے یہ خبر دی ہے کہ اسے سکول سے نکال دیا گیا ہے۔

میرا مطلب ہے کہ اس نے آپ کا جتنی بار جو چاہا تھا۔
جی... یہ خبر... کیا آپ کو بھی پہنچ گئی۔ عادل گھبرا گئے۔

ایسی خبریں چھپی رہتی ہیں کیا؟ اور آپ کو معلوم ہے اس خبر نے اس لڑکی کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ نواب صاحب، اگر یہ بات سچ بھی تھی تو آپ کے ہاں خدا کے فضل سے کیا کمی ہے۔ اس کی اتنی بے عزتی نہ کی جاتی۔ آپ نے یہ خبر اخبار میں بھی چھپوا دی۔ ہیڈ مسٹرس کو زیب کی روتی ہوئی آنکھیں یاد آئیں۔
محترمہ، یہ خبر بالکل غلط ہے۔ مس زیب نے ہرگز ایسی حرکت نہیں کی۔ وہ تو بہت اعلیٰ کردار کی مالک ہیں۔ عادل جلدی سے بولے۔

یہ آپ کہہ رہے ہیں۔ پھر اخبار میں خبر... یہ دیکھئے۔ ہیڈ مسٹرس نے دروازے اخبار نکال کر دکھایا جس میں باقاعدہ خبر چھپی تھی کہ فلاں سکول کی استانی زیب نے نواب عادل کا جتنی بار چاہا تھا، زیب موقع پر پکڑی گئی اور گھروالوں نے اسے معاف کر دیا۔

عادل نے ابکھر سر پکڑ لیا۔ وہ جان گئے کہ یہ کام سوائے صبا ت کے کسی کا نہیں ہو سکتا۔ وہ کہنے لگے۔

بھئی مجھے اس کی ذرا بھی خبر نہیں۔ میں ابھی اس کی تردید کروانا ہوں۔
مگر مجھے حیرانی اس بات کی ہے کہ نواب صاحب اس بچاری سے کسی کو کیا دشمنی تھی۔ ہیڈ مسٹرس ہمدردانہ الفاظ میں بولی۔
آپ یقین نہیں کر سکتیں محترمہ۔ اس بات کا مجھے کس قدر دلی مدد ہے۔
آپ ذرا اتنا کرم کریں کہ انہیں بلوا دیں۔ میں ان سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔
وہ اب یہاں کہاں نواب صاحب؟ ہیڈ مسٹرس طہریہ بولی۔
کیا مطلب؟

اسے آپ کے اس کرم کی وجہ سے نوکری سے نکال دیا گیا ہے۔ ہیڈ مسٹرس نے گویا ہم ان کے سر پر دے مارا تھا۔
وہ بوکھلا کر کہنے لگے۔

کیا فرما رہی ہیں آپ؟

بیٹا، غزالہ تو ٹھیک ہے؟ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔
جی ہاں، بالکل۔

اس کا جی لگ گیا ہے وہاں۔ بیگم صاحبہ نہیں۔

اپنا گھر تو وہی ہے۔ جی تو لگتا ہی تھا۔ صاحت جس کر بولا۔

بیٹا، اس کے تعویذ کا خیال رکھنا۔ تم جانو یہ آج کل کی لڑکیاں جانے تعویذ
سننے سے کیوں گریز کرتی ہیں۔ حالانکہ اللہ رسول کے طفیل اسی میں برکت ہے۔
کلام پاک گلے میں رہتی ہے۔ تم جانو کوئی بلا نزدیک نہیں آتی۔ میرا خیال ہے
اس مرتبہ میرا بچا ہے ہاں جا کر تمہارے لیے کچھ بھی لاؤں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ
پہلے والی صحت نہیں ہے تمہاری بھی۔ بیگم صاحبہ ایسے بول رہی تھیں جیسے چالی
بھردی گئی ہو۔

اماں حضور، وہ زیب ہے نا، اسے سکول سے نکال دیا گیا ہے۔ صاحت مقدمہ
لگا کر بولے۔

اچھا ہوا، موٹی نے حرکت بھی تو ایسی کی تھی۔ اے ہے ایسی بھی کیا بھوک
پڑ گئی تھی تو ڈاری کو جو ہماری بیٹی کے سرسراں میں چوری کی۔ اے ہے بیٹا، ہار
بھی تو عیروں کا تھا۔ اللہ ماری نے سوچا ہو گا کہ ساری عمر نوکری نہیں کرنا پڑے
گی اور

وہ سب غلط تھا۔ عادل نے درمیان میں نوک دیا۔

کیا... کیا یہ غلط ہے؟ بیگم صاحبہ حیران رہ گئیں۔

جی ہاں بیگم صاحبہ، بالکل غلط۔ دراصل ایک کنیز کی شرارت تھی۔ میں نے
اس کنیز کو نکال دیا ہے۔

ہم بھی کہیں کہ زیب تو ایسی نہیں ہو سکتی۔ عادل میاں۔ وہ ٹھوڑی تو یہاں
بچپن سے رہی ہے۔ اگر کبھی کوئی چیز اسے دینی بھی چاہی تو اتنی خودداری تھی
اس میں، ٹال دیتی۔ وہ نہایت شریف لڑکی تھی۔ یہ تو ہماری توہین ہو گئی نا۔ کنیز
کو شرم نہ آئی۔ اسے کیا جلن تھی اس سے۔ وہ جگاہوں جلی تو پہلے ہی کیا کم دیکھی
ہے۔ ہائے ہائے نوکری سے بھی نکل گئی۔ کہاں ماری ماری پھرتی ہو گی کم بخت۔

دیکھیں گے کہاں تک آگتی ہے۔ ایک دن قدموں پر گر گئے گی۔ پہلے تو
اجنبوز کا لحاظ تھا ہمیں۔ اب کھلی چمٹی ہے۔ صاحت کا مقدمہ بہت بھیاٹک تھا۔
تو یہ سب کچھ تم نے کیا ہے۔ عادل غصے سے بولے۔

ہمارے ہوتے ہوئے آپ کو کیا ضرورت ہے۔ ٹھکر کرنے کی۔ صاحت اپنے
پہلے پہلے دانت نکال کر بڑبڑاتے ہوئے بولے۔

میں پوچھتا ہوں کہ ایک بے کس ٹھوڑی کو ٹھکر کر کے ہمیں کیا ملے گا؟

جی، کیا فرمایا، یہ آپ فرما رہے ہیں۔ صاحت طنز بولے۔

ہار کی چوری اس نے نہیں کی۔ یہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔ تم نے
اخبار میں اس کے خلاف چھپو کر زیادتی کی ہے۔ عادل اس کا ٹھکر بھول کر بولے۔
مگر ہار کی چوری کا الزام بھی آپ نے لگایا تھا۔ اب اتنی ہمدردی کیوں ہو
رہی ہے۔ کیا میں اس کی وجہ دریافت کرنے کی گستاخی کر سکتا ہوں۔ صاحت
کہاں بوجھ کر انہماں بننے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہمیں معلوم ہے وہ شرارت کس کی تھی۔ ہم اس کو بھی سزا دیں گے مگر
ہم تم سے یہ کہے دیتے ہیں آئندہ اس کو ٹھکر نہ کیا جائے، ورنہ اس کا انجام برا
ہو گا۔

یہ لو ہم الگ ہوئے جاتے ہیں۔ ہم کو بھلا کیا ضرورت تھی۔ ہم تو آپ کے
لیے ہی اتنی بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ صاحت جس کر بولے۔

ہاں صاحت، اب اس کو بالکل ٹھکر نہ کرنا۔ مجھے پہلے ہی بہت صدمہ ہے۔
تجاری لڑکی پر کتنی مصیبت آئی۔ مگر اس کا گھر ہے کہاں؟

اس محلے میں ہے۔ گلی کے موڑ پر پہلا مکان۔

صاحت آخر کو بے وقوف ہی تھے۔ عادل کی دلچسپی کی وجہ اچھی طرح نہ
سمجھ سکے۔ کنیزیں کشمیاں بھری ہوئی رکھ گئیں۔ بیگم صاحبہ بھی آگئیں۔ گرم گرم
چائے آگئی۔ کنیزوں نے چائے پیش کی۔ عادل کا دل تو اس وقت کچھ نہ چاہ رہا
تھا مگر کچھ لحاظ داری کا پاس رکھنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے انہوں نے چائے کی
پیالی پکڑ لی۔

ان کو جتنا غصہ آئے کم ہے۔ ظلم بھی تو مت ہوا ہے۔ ہم خود چلیں گے۔
 زیب کی بیماری کا سن کر عادل پریشان ہو گئے۔ کہنے لگے۔
 ہم بھی چلے ہیں آپ کے ساتھ۔ ہم خود معذرت کریں گے اس سے۔
 شوق سے چلو بیٹا۔ بیگم صاحبہ نے اپنا برقعہ منکوا لیا۔ پتا، کنیز بھی تھی۔
 عادل بھی ساتھ ہو لیے۔ کہنے لگے۔
 گاڑی میں بیٹے۔

دیسے تو دو قدم پر گھر ہے مگر چلو، پیدل چلی میں سے لکنا اچھا نہیں معلوم
 ہوتا۔

بیگم صاحبہ اور صنوبر جب گاڑی میں بیٹھیں تو عادل نے کار ٹائٹ کر
 دی۔ صنوبر نے گھرتایا۔ گاڑی رکی تو بیگم صاحبہ اور صنوبر اتریں۔ عادل باہر
 کھڑے ہو گئے۔
 آؤ میاں، باہر کیوں رک گئے۔ بیگم صاحبہ بولیں۔

عادل سر جھکائے پیچھے پیچھے چل دیے۔ زیب کا چھوٹا سا صاف ستھرا گھر دیکھ
 کر ان کے دل میں ہوک سی اٹھی۔ کاش وہ زیب کے ساتھ اس گھر میں رہے۔
 جب انہوں نے اندر قدم رکھا تو دیکھا زیب لیٹی ہوئی ہے اور بڑی بی اس
 کا سر دبا رہی ہے۔ بیگم صاحبہ اور عادل کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ اٹھنے کی
 کوشش کر رہی تھی کہ بیگم صاحبہ نے اشارے سے منع کر دیا اور دوسری
 چارپائی پر بیٹھنے ہوئے بولیں۔

یہ کیا ہوا ہے زیب کو ذلن۔

غم سے بیمار پڑ گئی ہے بڑی بیگم۔ صدمہ بھی تو کم نہیں دیکھا۔

وہ اٹھی اور کرسی لاکر عادل کے لیے رکھی۔ عادل بیٹھ گئے۔ نظریں زیب
 کے زرد چہرے پر تھیں۔ بیمار بیماری زیب انہیں بے حد پیاری لگ رہی تھی۔
 کسی ڈاکٹر کو بلوایا تھا بڑی بی۔ عادل نے پوچھا۔

جی ہاں، بلوایا تھا۔ دوا دے گیا تھا۔ رات کو تو بڑا بخار تھا۔ اب خدا کا شکر
 ہے۔ بڑی بی اس کے سر پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

بیگم صاحبہ ایک دم بدل گئیں۔ ان کا دل تو پہلے ہی قبول نہ کرتا تھا کہ زیب ایسی
 ہو گی۔ جب عادل نے کہا تو وہ طبع جو وہ اپنے اوپر چڑھانے کی کوشش کر رہی
 تھیں ایک دم اتر گیا۔

عادل نے اطمینان کا سانس لیا کہ وہ کم از کم بیگم صاحبہ کے دل سے وہ بات
 دور کر چکے تھے۔ کہنے لگے مگر

بیگم صاحبہ سنا ہے وہ یہاں اپنے اسی مکان میں آگئی ہے؟

اسے ہم ابھی بلوا بیٹھے ہیں۔ وہ تو اپنی بیٹی ہی ہے۔ انہوں نے جھٹ صنوبر
 کو بلایا اور کہنے لگیں۔

جاسنوبر۔ زیب سے کتنا کہ بیگم صاحبہ نے بلایا ہے اور یہ بھی کتنا کہ انہیں
 سب کچھ معلوم ہو گیا ہے کہ تم بے قصور ہو۔ وہ کہتی ہے تمہاری بے عزتی
 دراصل ہماری بے عزتی ہے۔ ہم نواب صاحب کو غزالہ کے سسرال بھیجیں گے
 اور اس کٹنی کنیز کو خوب مزا چکھائیں گے جس نے تم پر الزام لگایا ہے۔
 کنیز چلی گئی تو بیگم صاحبہ کہنے لگیں۔

اے ہے میاں، یہ کتنی بڑی بے عزتی ہے۔ قبر میں اس کے ماں باپ کی
 ردھیں بھی کانپ گئی ہوں گی۔ کاش پہلے معلوم ہوتا۔ ہم نے بھی تو نصیحوں جلی
 کو ڈھیروں باتیں ہی سنا ڈالیں۔

عادل کا دل دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ ابھی زیب آئے گی تو
 اس کا سامنا کیونکر کر سکیں گے۔

بیگم صاحبہ اپنی اوٹ پٹانگ باتیں کرتی رہیں۔ بسبھی زمین کی کبھی آسمان کی۔
 تھوڑی دیر میں صنوبر آئی۔ کہنے لگی۔

میں نے بت کہا بیگم صاحبہ، مگر وہ نہیں مانی۔ اور وہ بیمار بھی ہے۔ بستر پر
 پڑی ہے۔ اے بیگم صاحبہ، زیب باہی تو پہچانی ہی نہیں جاتی۔ وہ تو مرسوں کا
 پھول معلوم ہوتی ہے۔ بڑی بی تو میرے گلے ہی پڑ گئی۔ کہنے لگی، کیا لینے آئی
 ہو۔ تم بیگم صاحبہ سے کہہ دینا کہ تمہاری بیٹی بھی تھی، کسی کی جانی پر یوں ظلم
 اچھا نہیں ہوتا۔

زیب بیٹی، ہمیں سب کچھ علم ہو گیا ہے۔ ہم بڑے شرمندہ ہیں مگر تم نے اپنی حالت کیوں بگاڑی۔ ہمارے ہوتے ہوئے تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کوئی۔ اس حرافہ کثیر کو ہم خود مزہ چکھائیں گے۔

زیب کی آنکھوں سے آنسو نکل کر گالوں سے لڑھک گئے۔

اب آپ سے یہ ہی درخواست کروں گی کہ خدا کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ میں پہلی غلطی کو شاید عمر بھر روتی رہوں گی۔ زیب رقت بھری آواز میں عادل کے دل پر تیر چلا رہی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھے اسے گھور رہے تھے۔

ہم تو کہہ رہے ہیں ہم بہت شرمندہ ہیں۔ بیگم صاحبہ بولیں۔

آپ میری بزرگ ہیں۔ محسن بھی ہیں۔ میں بھلا آپ کی شان میں گستاخی کر سکتی ہوں۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ اگر شکوہ ہے تو اپنے نصیبوں سے۔ میں ایک غریب اور لاوارث لڑکی ہوں۔ مجھ پر ہر کوئی الزام لگا سکتا ہے۔ میں کسی کا کیا بگاڑ سکتی ہوں۔ اب دیکھئے نا۔ وہ عادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ نواب صاحب نے یہ خبر اخبار میں چھپوا دی۔ میں نے ان کا کیا بگاڑ لیا۔ چند آنسو ہیں جو میں آپ ہی آپ بہا رہی ہوں یا اپنے نصیبوں کو کوس لیتی ہوں۔ آپ ہی بتائیے بیگم صاحبہ، میں آخر کر بھی کیا سکتی ہوں۔

عادل تڑپ گئے۔ مگر ان کی طبیعت میں شجیدگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ اس موقع پر کچھ بھی نہ کہنا چاہتے تھے۔ اس کے طرز کو خاموشی سے برداشت کر گئے۔

اخبار کا تو ہمیں علم نہیں۔ یہ کسی کی شرارت ہے عادل میاں؟ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

میں اس بارے میں نہیں جانتا بیگم صاحبہ۔ عادل پہلی مرتبہ بولے۔

جانتے کیوں نہیں آپ؟ آپ کی طرف سے تو یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اب آپ اعلان کرا دیں۔ اشتہار بانٹ دیں۔ میں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکوں گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ جب ہر زبان پر یہ ہی قصہ ہو گا، ہر طرف سے بدنام

ہو جاؤں گی تو ایک کونے میں خودکشی کر لوں گی۔ کس کو غم ہو گا میرا۔ کون روئے گا میرے لیے۔ کوئی بھی نہیں۔ میں کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اسی لیے مجھ پر الزام بھی جھٹ لگا دیا گیا۔ اگر ہوتی میری جگہ کسی امیر کی بیٹی تو پھر دیکھتی کس کو ہمت ہوتی ہے۔ اس کے آنسو تیزی سے پتنے لگے۔

میاں ہوا بھی تو ظلم ہے۔ ذلقتن جو خاموش بیٹھی آنسو بہا رہی تھی کہنے لگی۔ بن میں باپ کی بیٹی پر اتنا بڑا الزام۔

بیگم صاحبہ آہستہ سے بولیں۔

تم ہمارے پاس رہو چل کر، ایک چھت پالنے کا ذریعہ تھا وہ بھی چھین گیا۔ بڑی بی بولی۔

اسے فکر نہ کرنی چاہئے۔ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے نوکری نہ کرے۔ ہمارا گھر اس کا اپنا گھر ہے۔ ہم نے تو زیب کے بارے میں بہت کچھ سوچ لیا ہے۔ انشاء اللہ یہ ہماری حویلی کی رانی بنے گی۔

عادل چونک گئے اور زیب کے چہرے پر نفرت کی لکیریں گہری ہو گئیں۔

ہمارے خیال میں بیٹی تم ہمارے ساتھ چلو۔ یہاں رہو گی تو سوکھ کر کاٹا ہو جاؤ گی۔ پہلے ہی غم سے کیا حالت ہو گئی ہے۔

نہیں بیگم صاحبہ، میں اس گھر کو چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی اور اب تو میں نے فیصلہ کر لیا کبھی کسی سے نہیں ملوں گی۔

اور یہ بھی سوچا کہ کون باپ بھائی بیٹھا ہے جو کما کر لائے گا۔ بیگم صاحبہ مسکرا کر بولیں۔

وہ میرا نصیب، اللہ تعالیٰ پتھر کے اندر جو کیزا ہوتا ہے اسے روزی دیں پھینکا تا ہے۔ میں تو پھر اس کا پید ا کیا ہوا انسان ہوں۔

بیگم صاحبہ بڑی دیر تک اسے سمجھاتی رہیں مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی۔ عادل بھی کچھ نہ بولے۔ خاموشی اسے دیکھتے رہے۔ اس کا قصہ، اس کا جلال،

اس کی کمزوری، ہر روپ سے انہیں دالمانہ بنار ہوتا جا رہا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ عادل کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بیٹیں بیٹھے رہیں اور زندگی

کی انتہا ہو جائے۔ اسی لئے یتیم صاحبہ انھیں 'زیب' کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور اسے صبر کی تلقین کرتی ہوئی چل دیں۔ عادل بھی ساتھ ہی کھڑے ہو گئے۔ زیب نے ایک مرتبہ بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے یتیم صاحبہ کے پیچھے پیچھے چل دیے۔

کار کے شارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر آہستہ آہستہ غائب ہو گئی۔ زیب کے دل سے بہت سارا بوجھ اتر گیا تھا۔ اس نے خوب باتیں سنائی تھیں۔ بڑی بی اس کے لیے چائے بنا کر لے آئی اور وہ لگا تار چائے کے چار پیالے پیا گئی۔ بڑی بی اس عجیب و غریب لڑکی کو دیکھ کر حیران تھی۔

○



غزالہ سیکے آئی ہوئی تھی۔ اب کے عادل بھی اس کے ساتھ تھے۔ حویلی کے ایک حصے کا چھت ایسا بھی تھا جہاں سے زیب کا گھر صاف نظر آتا تھا۔ وہ اکثر وہیں کرسی پر بیٹھے اس کے گھر کی طرف دیکھتے رہتے۔ کبھی کبھی انہیں زیب نظر آ جاتی تھی۔ وہ دیکھتے کہ زیب ہمیشہ کپڑے ستی رہتی ہے۔ کبھی گھر سے باہر نہ نکلتی تھی۔ یہ بات سمجھنے میں ان کے لیے آسانی ہو گئی تھی کہ زیب لوگوں کے کپڑے سی سی کر گزارہ کرتی ہے۔ وہ بے بس تھے۔ زیب ان کے رگ و پے میں سامگنی تھی۔ غزالہ کی حماقتیں اسی طرح جاری تھیں۔ سچ تو یہ تھا کہ غزالہ کی باتوں میں انہوں نے کبھی دلچسپی ہی نہ لی تھی۔ غزالہ اور ان کا ہرگز جوڑ نہ تھا۔ البتہ وہ یہ سوچ کر ضرور پریشان ہو جاتے کہ غزالہ کا کیا ہو گا۔ اس سے چھکارا کیونکر ممکن ہے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ تھا جس کا کوئی بھی تو حل نہ تھا۔ سوچ سوچ کر ان کا ذہن ماؤف ہو جاتا۔

مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ موسم نہایت خوشگوار تھا۔ اسی چھت پر وہ بیٹھے تھے۔ سامنے میگزین پڑے تھے۔ سنبل ابھی ابھی چائے دے کر گئی تھی۔ وہ جوں کی توں پڑی ہوئی تھی۔ زیب کے گھر کی طرف نظر ڈالی۔ دیکھا زیب برآمدے میں نماز پڑھ رہی تھی۔ سفید کپڑوں میں وہ نہایت اداس لگ رہی تھی۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔ زیب نے بھی بار بار انہیں اس چھت پر بیٹھے دیکھا تھا۔

بال نے دیکھا کہ غزالہ غرارہ سنبھلتی آ رہی ہے۔ ماتھے پر ٹیکہ بھی لگا

عادل چپ سے ہو گئے۔ پھر بولے۔

دراصل مجھے اس بات کا فائدہ آیا کہ اس لڑکی نے مجھے صاف کیوں نہ بتایا کہ غزالہ بڑھی لکھی نہیں ہے۔ کیوں دھوکے میں رکھا۔ بس اس لیے۔

وہ تو ہم نے اسے کہا تھا کہ مت بتائے۔ ورنہ وہ تو ہم سے کئی مرتبہ کہہ چکی تھی کہ نواب صاحب کو بتادینا چاہئے۔

اسی لیے غزالہ میں سوچتا ہوں کہ اس کے ساتھ زیادتی ہوئی اور پھر صاحب نے اخباروں میں یہ خبر بھی لکوا دی۔ وہ بھاری مفت میں سب جگہ بدنام ہو گئی۔

یہ تو واقعی ظلم ہوا۔ غزالہ افسوس سے کہنے لگی۔

اب تم کسی طرح اس کی مدد ضرور کرو۔ اس کی نوکری بھی جاتی رہی۔ جانے کیسے گزارہ ہوتا ہو گا۔

آپ ذیب کو نہیں جانتے۔ وہ ایک کوڑی بھی کسی سے لینا اپنی بے عزتی سمجھتی ہے۔ ہم اسے جانتے ہیں۔ کئی مرتبہ ہم نے اپنے کپڑے دینے چاہے اسے مگر جال ہے کہ کبھی اس نے لیے ہوں۔ وہ بڑی آن والی لڑکی ہے۔ ماں باپ اکٹھے مر گئے بھاری کے مگر اس لڑی نے کسی کی کبھی مدد قبول نہیں کی۔ ہم اسے خوب جانتے ہیں۔

تو پھر؟ عادل فکرمند ہو گئے۔

ایک مرتبہ کوشش کر دیکھیں گے۔ غزالہ نے کہا۔

ہاں ضرور، مگر طریقے سے۔

امی حضور کہہ رہی تھیں کہ صاحب بھائی سے اس کی شادی کر دی جائے۔

ایں؟ یہ تو مناسب نہیں ہے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کہہ اٹھے۔

کیوں مناسب نہیں ہے۔ ساری عمر راج کرے گی۔ غزالہ چڑ گئی۔

خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ ذیب کی امداد کیسے ہو گی؟

ابھی بھیج دیتے ہیں کچھ رقم۔

مگر وہ لے لے گی؟ تم نے کہا تھو اس معاملے میں بڑی ضدی ہے۔

ہے۔ زیورات سے لدی۔ آئی ہے۔ جتنی رقم کا غرارہ کرتا پنے ہوئے ہے۔ وہ آ کر شرماتی ہوئی سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

ارے چائے نہیں پی آپ نے۔

اودہ خیال ہی نہ رہا۔ عادل جھینپ گئے۔

یہ تو ٹھنڈی ہو گئی۔ شیش اور بنا کر لاؤ۔ غزالہ نے کہا۔

شیش برتن اٹھا کر چلی گئی تو عادل کہنے لگے۔

تم نے چائے پی لی؟

ہم تو چائے نہیں پیچے۔ یہ تو سیدہ جلاتی ہے۔ ہم تو دودھ پیچے ہیں۔ غزالہ ہنس کر بولی۔

اچھا۔ عادل یونہی وقت گزارنے کے لیے بولے۔

آپ کو یہ جگہ بڑی پسند ہے؟ غزالہ ذیب کے گھر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

ہوں، نہیں تو، بس یونہی بیٹھ جاتا ہوں۔

یہاں سے ذیب کا گھر صاف نظر آتا ہے نا۔

غزالہ کے منہ سے یہ جملہ سن کر ایک لمحہ کے لیے عادل چونکے ضرور۔

غزالہ کے منہ سے پہلی مرتبہ تو ایسا جملہ سنا تھا انہوں نے۔

ذیب تم سے ملنے آتی ہے کیا؟ عادل نے کہا۔

وہ مرتبہ بلوایا تھا، اس کا مزاج آسمان پر ہے۔ آئی نہیں۔

اس کے ساتھ ہوتی بھی تو زیادتی ہے۔ اس بھاری کا قصور بھی کیا۔ تم نے

ہی تو اسے خط لکھنے کو کہا اور اس پر الزام بھی تو میں نے ہی لگوا دیا تھا۔ عادل کہہ اٹھے۔

آپ نے؟ غزالہ حیرت سے جو پچھ رہ گئی۔

ہاں، میں نے یہ غلطی کی ہے جس کا مجھے بے حد رنج ہے۔ ایک معصوم

لڑکی پر میری وجہ سے کس قدر مصیبتیں آئیں۔

مگر کیوں؟

اور کہا کہ میں تمہیں چھوڑ سکتی ہوں؟ ہے نا بھلی۔
عادل آہستہ سے بولے۔

بڑی بی بی میں نہیں بتا سکتا کہ میری کیا حالت ہے۔ اگر کچھ دن ایسی ہی
حالت رہی تو یقیناً ”مر جاؤں گا۔“
کیوں بری بات زبان سے نکالتے ہیں نواب صاحب۔ بڑی بی بی سمجھ گئی کہ
معاملہ کیا ہے۔

میں جی کہہ رہا ہوں۔
اچھا میاں۔ پس جا رہی ہوں۔ رات ہو گئی ہے۔ لڑکی گھبرائے گی۔ کپڑے
دے آؤں۔

بڑی بی بی چلی گئی تو عادل کا جی جانے کیوں چاہنے لگا کہ وہ زیب کے پاس
جائیں۔ وہ بے خودی کے عالم میں چل دیے۔
دروازہ بند تھا لیکن دھکیلنے سے کھل گیا۔ بڑی بی بی تو بند کر کے گئی نہ تھی
لیکن زیب کو دروازہ بند کرنا یاد نہیں رہا۔ حالانکہ وہ ہر وقت کنڈی چڑھائے
رکھتی تھی۔ عادل اندر آ گئے۔ دیکھا تو کمرے کی لائٹ جل رہی تھی۔ ”احتیاطاً“
انہوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ زیب پنگ پر لیٹی کچھ پڑھ رہی تھی۔
قدموں کی چاپ سن کر بولی۔

کیا ہوا بڑی بی بی، کپڑے دینے نہیں گئی کیا؟
عادل اس کے قریب آ گئے۔ کئے گئے۔

زیب۔

بھاری آواز سن کر زیب ڈر گئی۔ چونک کر دیکھا عادل سامنے کمرے تھے۔
آپ، کیوں آئے ہیں میاں؟ اس کی آواز کپکپا گئی۔
میں خود نہیں جانتا کہ کیوں آ گیا ہوں۔ ان کے لمبے میں بہت بے قراری
تھی۔

زیب کی سوئی ہوئی محبت اٹھائیاں لینے لگی۔ وہ بھرائی ہوئی آواز سے
بولی۔

اے جی لے لے گی۔ پیسہ بڑی چیز ہے۔ غزالہ اٹھ کر مٹی اور سنبل کو دو
سو روپے لاکر دیے۔ سنبل زیب کے ہاں لے کر گئی تو اسے بہت غصہ آیا مگر
جھل سے کہہ دیا کہ شکریہ اور آئندہ کے لیے منع کر دیا۔
اس وقت غزالہ عادل کے پاس ہی بیٹھی تھی۔ سنبل نے روپے واپس لاکر
دیے اور کہا۔

ان کا غور تو آسان پر ہے۔ کئے گئیں۔ آپ لوگ مجھے یہاں بھی رہنے
دیں گے یا نہیں۔
اسے تو ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ خدی بہت ہے۔
عادل خاموش ہو گئے۔ غزالہ کئے گئی۔

ہم نیچے جا رہے ہیں۔ آپ کیا بیٹیں بیٹئیں گے؟
نہیں میں بھی چتا ہوں۔ عادل اس کے ساتھ لپی نیچے آ گئے۔
رات ہو چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ نواب صاحب سے باتیں کرتے رہے
پھر باہر نکل گئے۔ گلی میں رونق ختم ہو گئی۔ پان کی چھوٹی سی دکان پر چند بے
لگے ریڈیو سن رہے تھے۔ جب وہ زیب کے گھر کے قریب پہنچے تو دیکھا بڑی بی
باہر نکلی ہے۔ اس کے ہاتھوں میں کپڑوں کی ایک پوٹلی سی تھی۔ بڑی بی گلی کی
طرف مڑنے والی تھی کہ عادل سامنے چلے گئے۔ کئے گئے۔
کیا حال ہے بڑی بی۔

اچھی ہوں نواب صاحب۔ وہ وہیں کھڑی ہو گئی۔
کہاں جا رہی ہیں آپ؟ عادل نے پوچھا۔
یہ کپڑے ہیں کسی کے۔ انہوں نے شادی پر جانا ہے۔ کافی سلائی تھی ان
کی۔ زیب کی طبیعت خود اچھی نہیں رہتی مگر بچاری نے ہی ہی دیے۔
تو کیا زیب سلائی کرتی ہیں؟

ہاں نواب صاحب، بیٹ بھی تو پاتا ہے۔ دیے سے بھلی۔ مجھے کئے گئی۔
بڑی بی، نوکری تو چھوٹ گئی ہے اب میں تمہیں تنخواہ کہاں سے دوں گی۔ تم
کیوں مجھ بد نصیب کے ساتھ پڑی رہتی ہو۔ جاؤ اپنا کام دیکھ لو۔ میں نے تسلی دی

خدا کے لیے چلے جائے۔ چلے جائے اور پھر کبھی میرا نام بھی مت لیجئے۔
 بھول جائے۔ مجھے بھول جائے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ باہر نکل گئی۔ عادل
 بھی اس کے پیچھے پیچھے آئے۔
 زیب نے دروازہ کھول دیا۔ وہ محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے قریب
 آگئے۔ کہنے لگے۔

تو تمہیں رحم نہیں آئے گا؟

آپ آئندہ کبھی بھی میرے لیے نہ سوچیں، وعدہ کریں۔

یہ وعدہ تو میں نہیں کر سکتا۔ وہ مسکرائے۔

چلے جائے۔ میری اور آپ کی راہیں الگ ہیں اور...
 کیا... وہ محسوس کر رہے تھے کہ زیب کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن کہہ نہیں
 سکتی۔

میری ایک بات مائیں گے آپ؟ وہ رندمی ہوئی آواز میں بولی۔
 کمو۔

غزالہ کے ہورہنے بچے دل سے۔

تم ایک بات مانو گی؟ وہ مسکرا کر بولے۔

اس نے صرف نگاہیں اٹھادیں۔

میری ہو جاؤ۔ وہ ہنس دیے۔

آپ میری باتوں کو مذاق سمجھتے ہیں کیا؟

بالکل، کیونکہ مجھے علم ہے کہ زیب میری۔ میری زندگی ہے، میری روح
 ہے اور کیا روح کبھی جسم سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ پھر تو انسان مرجاتا ہے نا۔
 انہوں نے انگلی سے اس کی ٹھوڈی چھوتے ہوئے کہا۔

آپ، آپ انہونی باتیں کر رہے ہیں۔

میرا یقین ہے اگر اعتماد کامل ہو تو کوئی مشکل مشکل نہیں رہتی۔ میری محبت
 میں اتنی کشش ہوگی تو میں تمہیں ایک دن ضرور حاصل کر لوں گا۔ مگر مجھے دکھ
 تو اس بات کا ہے کہ میری ایک ذرا سی غلطی نے تم سے جینے کا حق چھین لیا

کیوں مجھے دکھی کرتے ہیں آپ۔

تم مجھے دکھی کرتی ہو یا میں؟

کسی نے دیکھ لیا تو کیا ہو گا؟

میں اس سلسلے سے آگے نکل گیا ہوں۔ اب میں وہاں ہوں جہاں مجھے اپنی
 بھی خبر نہیں۔ پھر مجھے کسی کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔

غزالہ کو معلوم ہو گیا تو؟

ڈرو نہیں زیب۔ خدا کے لیے مجھے زندگی دے دو، ورنہ میں مرجاؤں گا۔

آپ چلے جائے، خدا کے لیے۔ زیب پگ سے نیچے اتار آئی اور ہاتھ جوڑ

کر بولی۔ میرے پاس کچھ نہیں۔ میں آپ کو کیا دے سکتی ہوں۔ چلے جائے
 آپ۔

تمہارے پاس سب کچھ ہے۔ عادل نے اس کے ہاتھ جوڑ کر اچھا کر

رہی تھی، 'جوہر' لے، وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔ زیب کھڑی کھڑی کانپ گئی۔

چلے جائے۔ وہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

زیب، میری زندگی۔ انہوں نے بے قرار ہو کر اس کی گردن پر اپنے
 ہونٹ رکھ دیے۔

کچھ لمحوں کے لیے وہ سب کچھ بھول گئی۔ جس سے محبت کی اسے آرزو

تھی۔ وہ اسے مل گئی تھی۔ عادل نے اس کا چہرہ اپنی طرف پھیر لیا۔ ان کی

نگاہوں میں ایک اچھا تھی۔ پیار تھا، محبت تھی اور زیب نے آنسوؤں کی

دھندلاہٹ میں وہ سب کچھ دیکھ لیا تھا۔ اس لیے اس کا دل زور سے دھڑکا گیا

باہر نکل آئے گا۔ پھر وہ بجلی کی سی تیزی سے الگ ہو گئی اور منہ پھپکا کر رونے
 لگی۔

عادل اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ کہنے لگے۔

تمہارے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ میری زندگی بنا دے گا۔ ہم کہیں دور

چلے جائیں گے۔ یہ جگہ بالکل چھوڑ دیں گے۔

وہ روکتی رہی۔ پھر ایک دم پیچ کر بولی۔

ہے۔ تم ضدی بھی اس قدر ہو کہ تم سے اس معاملے میں کچھ کہنا بیکار ہے۔ اتنی
انجیا کروں گا کہ دکھ کو ناسور نہ بنانا۔ میں آؤں گا اور تمام مشغلیں ختم کر کے
آؤں گا۔ تب تمہیں مجھے اپنا پورا اندازہ لگے گا۔ خدا حافظ۔
وہ باہر نکل گئے اور وہ کمرے میں آکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

○



غزالہ پھر سسرال چلی گئی تھی۔ عادل مجبور اور بے بس تھے۔ زیب بالکل
مگوشہ نشین ہو کر رہ گئی تھی۔ فیروزہ ویسے تو کئی مرتبہ آچکی تھی لیکن اس روز
وہ صبح سے ہی آگئی۔ کہنے لگی۔

آج اتوار تھا، سوچا تمہارے ساتھ منایا جائے۔

اچھا کیا۔ میری اندھیری دنیا میں ایک تم ہی ہو جس سے کچھ روشنی ہوتی
ہے۔ تمہاری عنایت ہے کہ تم نے ابھی تک ساتھ نہیں چھوڑا۔

کیا فضول بحث ہے۔ فیروزہ ہنس کر بولی۔

اچھا، بتاؤ کہ تمہاری شادی کب ہو رہی ہے۔ اسی مہینے کے آخر میں نا؟
ہاں اسی مہینے ہمارا پتہ کٹ رہا ہے۔

چل دفعان ہو، منہ سے بری باتیں مت نکالا کرو۔

آج چلو، تمہیں پکڑ رکھا لاؤں۔ بڑی اچھی پکڑ گئی ہے۔
کھانا کھا کر چلیں گے۔

زیب نے بڑی بی کو بلایا اور کہنے لگی۔

پہلے ہمیں دو بیالیاں چائے بنا کر دے جاؤ بڑی بی۔ پھر کھانا پکا ڈالو جلدی
ہے۔ تھوڑے سے چاول بھی پکا لو۔ فیروزہ کو بہت پسند ہیں۔
اچھا بیٹی۔

بڑی بی باورچی خانے کی طرف چل دی تو فیروزہ نے پوچھا۔

بڑی بی کی تنخواہ وغیرہ کا کیا انتظام ہے؟

میں نے بہت کما کر تم کوئی نوکری تلاش کر لو۔ مگر وہ رو پڑی۔ کہنے لگی۔
میرا کون ہے اور تم پر اب وقت آن پڑا ہے تو میں تمہیں چھوڑ دوں۔
بڑی اصل ہے۔ فیروزہ بولی۔

چھوٹے لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ صرف پیسے کے ہیں۔ اب اس
کنیز کو دیکھ لو۔ ماں جیسی محبت کرتی ہے مجھ سے۔ زیب کی آواز بھرا گئی۔ بڑے
لوگوں کی کیا باتیں ہیں۔ دولت نے ان کا داغ بدل دیا ہے۔
تھوڑی دیر میں بڑی بی چائے کی پیالیاں بنا کر لے آئی۔

دونوں نے چائے پی۔ فیروزہ سے زیب کو بے حد محبت تھی۔ اس کی
دوست تھی بھی اچھی۔ وہ دونوں سکول میں بھی الگ تھلک رہا کرتیں۔ جب
اکٹھی ہوا کرتیں تو دنیا بھر کے قصے دینا بھر کی باتیں ہوتیں۔ وقت کا پتہ ہی نہ چتا
اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ باتوں میں کتنا ہی وقت گزر گیا۔ بڑی بی کے
کھٹ پٹ کرنے کی آواز آتی رہی۔ وہ آئی اور بولی۔

کھانا لے آؤں بیٹی۔

ہاں بڑی بی' لے آؤ۔ بڑی بھوک لگی ہے۔ فیروزہ نے کہا۔
بڑی بی کھانا لے آئی۔ چاول تھے۔ آلو کے قتلے اور کھنے کا سالن۔ دونوں
نے ایک دوسرے کو محبت سے کھلایا۔

کھانے کے بعد مدت بعد زیب نے اچھے کپڑے پہنے۔ فیروزہ اور وہ ٹیکسی
لے کر پچھراؤس کی طرف چل دیں۔ قلم اچھی تھی۔ رش بھی بہت تھا۔ فیروزہ
نے لیڈر ڈیننگ روم کی طرف سے ٹکٹ لیے۔ زیب کی نظر اچانک پڑی۔ دیکھا
سانے نیلے سوٹ میں لمبوس عادل کھڑے تھے اور وہ اس کی طرف دیکھ رہے
تھے۔ وہ گھبرا گئی۔ عادل کی نظروں میں پیار تھا جسے وہ برداشت کرنے کا حوصلہ نہ
رکھتی تھی۔ اس نے گھبرا کر نظریں جھکا لیں۔ عادل ا وہاں دیکھ کر مسرت سے
بھوم گئے۔ ایک تو اس بات پر کہ زیب نے جینے کی کوشش شروع کر دی تھی
دوسرے وہ اچانک ان کے سامنے آگئی تھی۔

فیروزہ ٹکٹ لے آئی تو زیب اس کے پیچھے ہو لی۔ عادل کچھ دیر کھڑے

رہے۔ وہ دونوں جا چکی تھیں۔ کچھ لمے وہ سگریٹ پی رہے۔ قلم شروع ہونے
کی بل ہوئی تو وہ آہستہ آہستہ اوپر چلے گئے۔ اتفاق سے گیٹ کپڑے نے بھر دیکھ کر
جو سیٹ انہیں دی تھی وہ بالکل زیب کے قریب تھی۔ زیب گھبرا گئی۔ وہ
خاموشی سے بیٹھ گئے۔

فیروزہ اس سے باتیں کر رہی تھی اور وہ ہم سم تھی۔ آخر فیروزہ وہ نہ سکی
تو کہہ اٹھی۔

کہاں ہو تم؟

آں، کچھ بھی نہیں، قلم کی کاسٹ دیکھ رہی تھی۔

عادل کے لیے یہ ہی خوشی کی بات تھی کہ ان کے خوابوں کی تعبیر ان کے
بالکل قریب تھی۔ وہ اس کے کندھے پر جھک کر سرگوشی کے لیے میں بولے۔
میری محبت کی کشش ہے۔

وہ جھینپ گئی۔ فیروزہ قلم میں دلچسپی لے رہی تھی۔ زیب نے گھور کر ان
کی طرف دیکھا وہ مسکرا دیے۔

زیب کا دل بھی دھڑکنوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اپنے محبوب کے ساتھ بیٹھنے
کا تصور ہی اس کے لیے جان لیوا تھا۔ جو کچھ بھی تھا وہ آخر اس کا محبوب تھا جس
کے لیے اس کے دل میں پہلی مرتبہ چاہت پیدا ہوئی تھی اور یہ چاہت اس کی
زندگی کا حادثہ بھی بنی تھی مگر پھر بھی اگر وہ اندازہ کرتی کہ عادل اس کے لیے کیا
ہیں تو وہ یہ ہی سمجھتی کہ ان کے بغیر زندگی بیکار ہے۔ وہ ان کا خیال بھی دل میں
لائے ہوئے ذرا کرتی مگر خیال ہی تھا اس پر کسی کا بس ہے؟ آخر وہ اس کا
محبوب تھا۔ ہم خیال تھا چاہے جو کچھ بھی تھا وہ اس کے قریب تھا۔ اپنی عروسی
قسمت پر اسے غم تو تھا مگر اس وقت ایک مدہوش کن لہراس کی نس نس میں
دوڑ گئی تھی۔ چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ دل میں جذبات کا سمندر بے قرار تھا۔ یہی
حالت عادل کی تھی مگر دونوں مجبور تھے۔

فیروزہ نے کوئی بات کی مگر زیب نہ سمجھ سکی۔ یونہی ہنس دی۔ حالانکہ اس
میں کوئی ہنسنے والی بات بھی نہ تھی۔ وہ خاموش ہو گئی۔

قلم میں ہیرو صاحب کوئی گانا گا رہے تھے۔ عادل اس کے قریب ہو کر بولے۔

آپ کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

کس بات کی؟ زیب آہستہ سے بولی۔

زندہ رہنے کی کوشش۔ عادل نے کہا۔

کون ہے؟ فیروزہ نے پوچھا۔

نواب عادل۔ زیب نے بتایا۔

یہ یہاں کیسے؟ فیروزہ نے پوچھا۔

جیسے ہم۔

تمہاری خاصی جان پہچان ہے۔ وہ ہنسی۔

ساری مصیبت کی بڑی جان پہچان ہے۔ زیب نے کہا۔

اچھا مجھ سے بھی چھپایا تھا جناب نے۔

تمام قصہ تو سنا چکی ہوں، بس کچھ رہ گیا تھا وہ اب سن لیتا۔

اصل قصہ تو رہ گیا تھا۔

اچھا، اب بور نہ کرو۔ بتا دو گی۔ زیب ہنس کر بولی۔

تھوڑی دیر میں انٹرول ہوا تو عادل اٹھ کر باہر چلے گئے۔

وہ زیب کو بدنام نہ کرنا چاہتے تھے۔ فیروزہ نے انہیں گھور کر دیکھا۔ خالصہ

خوبصورت انسان ہیں۔ واقعی قسمت پھوٹ گئی جو غزالہ جیسی توہم پرست لڑکی

سے پالا پڑا۔

کی تو غصہ آیا تھا انہیں۔

پھر شادی کیوں کر لی۔ اسے بچے تو تھے نہیں۔ اچھے خالصہ تعلیم یافتہ بھی

ہیں۔ لکیر کے فقیر بھی معلوم نہیں ہوتے پھر وجہ؟

غزالہ سے متعلق تو خاندان اور شجرے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد

انہوں نے خطوں کے ذریعے معلومات حاصل کرنا چاہی۔ وہ بھی اچھی ہی لیں۔

بعد میں بھانڈا پھوٹا تو بہت برہم ہوئے۔

خیر، غلطی تمہاری تھی۔ فیروزہ بولی۔

یہ تو میں بھی باہمی ہوں مگر...

ہال کی بتیاں بجھ گئیں۔ عادل بھی آگئے۔ باقی قلم خاموشی سے دیکھی گئی۔

اختتام پر جب وہ باہر نکلیں تو خاصی شام ہو چکی تھی۔ عادل سفید گاڑی میں قریب

سے گزر گئے۔ فیروزہ اور زیب نے ٹیکسی لے لی۔

فیروزہ نے پہلے زیب کو ڈراپ کیا اور پھر اس سے اپنے گھر آئے کا وعدہ

لے کر چلی گئی۔

زیب آج مدت بعد اپنے آپ میں زندگی کی لہر محسوس کر رہی تھی۔



اور دو ماہ یونیورسٹی گزر گئے۔ زیب کا گزارہ نہایت مشکل ہو گیا جو کچھ جمع شدہ

تھا وہ سب ختم ہو چکا تھا۔ سلائی بھی خاص نہ آئی۔ دو چار روپے سے کیا بناتا۔

وہ سخت پریشان تھی۔ ایک روز یونیورسٹی سوچ میں کم تھی۔ بڑی بی باورچی

خانے میں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ زیب آج کل کیوں پریشان ہے۔ زیب سوچ

رہی تھی کہ آخر کیا ہو گا۔ زندگی کی گاڑی آخر کیوں کر چلے گی۔ عادل کے لیے

اس نے فیملہ کر لیا تھا کہ وہ اس سے کبھی نہ ملے گی۔ اگر کبھی اس نے کوشش

کی بھی تو اس سے اس قسم کا رویہ رکھے گی کہ وہ خود ہی اس کا پیچھا چھوڑ دے

گا۔ آخر کو عادل غزالہ کا شوہر تھا۔ ان کا کبھی ملاپ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسے کوئی

برداشت بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ وہ چاہتی بھی نہ تھی کہ اس کی وجہ سے کسی کا دل

ٹوٹے۔ کسی پر تپائی آئے۔ غزالہ جو کچھ بھی تھی، تھی تو عادل کی بیوی اور بیوی

بھی ایسی تھی عادل طلاق وغیرہ دینے کا خیال بھی دل میں نہیں لاسکتا۔ پھر وہ کیسے

عادل کے بارے میں سوچے۔ وہ ہر طرف سے مجبور تھی۔ کچھ بھی تو نہیں کر

سکتی۔ اس قدر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود وہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ بدنامی نے اس کا مقدر سیاہ کر دیا تھا۔

وہ انہی سوچوں میں غم تھی کہ بڑی بی آگئی۔ رُے میں دو روٹیاں اور تھال میں دال۔ بڑی بی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

زیب نے رُے پکڑی اور یوں نالے توڑنے لگی جیسے اسے کوئی خیال نہ تھا۔ بڑی بی درد سے مجبور ہو کر رونے لگی۔

کیا ہوا بڑی بی؟

میں تمہیں اس طرح کھانا کھاتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی۔

ارے تو کیا ہوا، ایسا وقت بھی تو آیا ہی کرتا ہے۔ وہ ہیکلی سی ہنسی ہنسنے ہوئے بولی۔

میں نے تمہیں بچپن سے گود میں کھلایا ہے۔ میں جانتی ہوں نا، کیا کیا ہوا کرتا تھا تمہارے لیے، اور آج، یہ پانی روٹی اور دال۔

مجھے تو ذرا بھی خیال نہیں آتا۔ تم خواہ خواہ رنج کرتی ہو۔

اس نے ایک روٹی کھا کر رُے واپس کر دی۔

یہ بھی کھا لو نا۔ بڑی بی نے کہا۔

بھوک نہیں ہے۔ تم کھاؤ۔ یہاں میرے سامنے بیٹھ کر۔ مجھے معلوم ہے تم کچھ نہیں کھاتیں۔

وہ آہستہ سے ہنسی جس میں درد زیادہ تھا۔

بڑی بی آنسو پونچھ کر وہیں بیٹھ گئی۔ زیب پیٹ لے کر اس میں تھوڑی سی دال لے آئی۔

مجھے اتنی بھوک تو ہے نہیں۔ بڑی بی نے کہا۔

ہاں تمہاری بھوک مرگئی ہے اب بالکل۔ زیب کے چہرے پر دکھ گہرا ہو گیا۔

میں سوچتی ہوں آخر کیسے گزارہ چلے گا۔ تم کو تو میں کہیں اور نوکری کر لوں۔ کچھ تو گزارہ چلے گا مگر۔ بڑی بی آہستہ سے بولی۔

نہیں نہیں، زیب چیخ پڑی۔ نوبت یہاں تک آگئی ہے۔ میں ضرور کچھ کروں گی۔

اگر میری مانو تو کچھ کہوں؟

کیا؟

فیروزہ نے مجھے بتایا تھا کہ ایک رشتہ ہے اچھا خاصہ۔ وہ بھی چاہتی ہے کہ تم وہاں شادی کر لو۔ بنی شادی سے بڑا پردہ ہے۔

وہ خاموش ہو گئی۔

فیروزہ نے تم سے بھی تو بات کی تھی۔

نہیں مجھ سے نہیں کی۔ زیب نے کہا۔

کہہ رہی تھی کہ کسی دفتر میں پرنٹسٹ ہے۔ چار سو روپے مہینہ تنخواہ ملتی ہے۔ ماں باپ مر چکے ہیں۔ اچھے خاصے گھرانے کا ہے۔ دیکھو بنی، میں تمہاری ماں بھی ہوں اگر سمجھو تو۔ اور شادی کرنے سے تمہاری تمام مہمیتیں بھی

دور ہو جائیں گی۔ میں دیکھتی ہوں کہ نواب عادل اس طرف بہت چکر لگاتے رہتے ہیں... ان نوابوں سے خدا دور ہی رکھے۔ تمہیں تو معلوم ہی نہیں اور نہ

ہی میں نے تمہیں پہلے بتایا کہ خواہ خواہ ڈر جاؤ گی۔ وہ موا صباحت بھی تو پیچھے پڑا ہوا ہے۔ اس دن مجھے نوٹ دکھا کر مجھے مدد کے لیے کہہ رہا تھا۔ میں تو بچے جھاڑ

کر پیچھے پڑ گئی۔ بڑا آیا مردود۔

زیب کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ اسے کسی حد تک بڑی بی کی بات ٹھیک ہی معلوم ہوئی۔ مگر اس کی اپنی محبت۔ اس کا دل کسی نے سسل دیا۔

بڑی بی برتن اٹھا کر جانے لگی تو زیب نے کہا۔ میں سوچ کر بتاؤں گی بڑی بی۔

بڑی بی چلی گئی تو وہ سوچنے لگی۔

عادل کی محبت کو جھٹانا میرے لیے کتنا مشکل ہو گیا ہے۔ ایک ملہ ہو تو بات بھی... نہ۔ یہاں پیٹ کا مدد بھی شروع ہو گیا۔ آخر یہ گاڑی کیسے چلے گی۔ کیا

میں فیروزہ کی بات مان لوں۔ شادی کر لوں... عادل کیا سوچیں گے۔ اونہہ

سوچتے دو۔ مجھے اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہئے۔ پھر غزالہ کیا سوچے گی۔ اور تمام زندگی یونہی گزر جائے گی۔ مجھے اپنی محبت کا گدھ گھوٹنا ہی پڑے گا۔ عادل کو بھول جانا ہو گا اور اس کے لیے شادی ہی اچھا ہے۔ شادی کرنا ہی ہو گی۔ شاید وقت کے ساتھ یہ زخم بھی مندمل ہو جائے۔ واقعی مجھے بڑی بی سے کہہ دینا چاہئے۔



عادل بے حد پریشان تھے۔ زیب سے شادی کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ کتنے عرصے سے انہوں نے اسے دیکھا بھی نہیں تھا۔ بس اسی پریشانی میں تھے۔ اس دن غزالہ کا پیر پھسل گیا۔ وہ گر پڑی۔ پیر موج کھا گیا تھا۔ صبح سے کئی ڈاکٹر آچکے تھے مگر غزالہ نے اودھم مچا رکھا تھا۔ وہ اتنی زور سے روتی کہ سارا گھر پریشان ہو گیا۔ ڈاکٹر نے بیکہ لگائے کے لیے سرنج نکالی تو وہ یوں ہاتھ پاؤں مارنے لگی کہ گویا انجشن میں کوئی بھوت ہے۔

انجشن لگتے سے تمہیں آرام آ جائے گا غزالہ۔ عادل نے اسے سمجھایا۔
'نہیں نہیں' ہم سوئی نہیں گلوائیں گے۔ آپ نے ہمیں مارنے کا تہیہ کر لیا ہے۔

عادل خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر دوا دے کر باہر نکل گیا تو وہ اپنی والدہ کے پاس آئے۔ وہ بھی پریشان سی تھیں۔

کیسی طبیعت ہے دلہن کی۔ انہوں نے آہستہ سے پوچھا۔

ہم کیا بتائیں آپ کو۔ عجیب جاہل لڑکی ہے۔ عادل چڑ گئے۔

تم سچ کہہ رہے ہو بیٹا، تمہیں نہیں معلوم کہ ہم کس قدر پیچتا رہے ہیں۔ بھلا ایسے بیٹے کے لیے لڑکیوں کی کیا تھی۔ خوبصورت اور اچھی بھلند۔ بھلا ہو نواب صاحب کا کہنے لگے۔ ہمارا تجربہ ایک ہے۔ وجاہت کے ہاں شادی ہو تو اچھا ہے۔ ہم تو لڑکی دیکھتے گئے تھیں۔ بڑی بیگم تھیں۔ انہیں کیا پتا۔ ان کے سامنے غزالہ نے بات چیت نہیں کی۔ ہم کبھی نواب کی بیٹی ہے۔ اچھی ہو گی۔ مگر ہمیں



طلاق ہو تو سکتی ہے بیٹی، مگر ہمارے ہاں بیویاں تو چار چار کر لیتے ہیں مگر طلاق نہیں ہوتی۔ یہی تو مشکل ہے۔ اسی لیے دشمنیاں چل پڑتی ہیں۔
تو کیا ہو گا اسی حضور۔ جہاں آرا بولی۔

جو اللہ کو منظور ہو گا۔
میر کو ذرا سی موقوف آگئی ہے اور آسمان سر پر اٹھا لیا ہے۔ یتیم صاحبہ نے کہا۔

جہاں آرا سکرنا دی۔ پھر بولی۔ بھائی جان وہ زیب سنا ہے نوکری سے بھی نکال دی گئی۔

مجھے تو لگتا ہے یہ شرارت تھی۔ یتیم صاحبہ نے کہا۔
یہ سب کچھ ہم سے ہوا اہی حضور۔ عادل سر جھکا کر بولے۔
یہ کیا کہہ رہے ہو بیٹے؟
جی امی، سچ کہہ رہا ہوں۔ عادل نے زیب کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے تمام قصہ صحیح صحیح ماں اور بہن کو سنا دیا۔

پورا قصہ سن کر دونوں کو بہت افسوس ہوا۔ یتیم صاحبہ کہنے لگیں۔
ہائے ہائے، وہ گھوڑی تو دین دینا سے گئی۔

مگر صاحت نے بغیر پوچھے خبر اخبار میں کیوں چھپوا دی۔
وہ تو پہلے سے دشمن ہے اس کا۔ عادل بولا۔

بے چاری لڑکی پر کس قدر ظلم ہوئے ہیں۔ یتیم صاحبہ کہنے لگیں۔
اور بھائی جان، میں جانتی نہیں سکتی کہ وہ کس قدر اچھی لڑکی ہے۔ میرے ساتھ اس کا بہت کم عرصہ گزرا ہے لیکن کیا بتاؤں اس قدر کم عرصے میں اس نے کتنا اچھا اثر ڈالا ہے مجھ پر۔ نہایت شریف، سنجیدہ اور سکھ لڑکی ہے وہ۔
میں وہاں گئی تو ضرور ملوں گی۔ یتیم صاحبہ نے کہا۔

عادل اٹھ کر چلے گئے تو ماں بیٹی اس کی زندگی پر غور کرنے لگیں۔

کیا معلوم تھا کہ خاندان ابھی تک پرانی رسوم اور جہالت میں ڈوبا ہوا ہے۔
عادل سر جھکائے بڑے غمگین سے بیٹھے ہوئے تھے اور یتیم صاحبہ بیٹے کی صورت دیکھ کر کڑھ رہی تھیں۔

بھائی میں کیا حسب نسب کا بھگڑا۔ میرا بچہ آدھا بھی نہیں رہا۔ آج ہی میں نواب صاحبہ سے کہے دیتی ہوں کہ عادل کی دوسری شادی ہو گی۔
عادل خاموش بیٹھے تھے۔ کہنے لگے۔ مگر اب غزالہ کا کیا ہو گا؟
ہو گا کیا؟ رہے گی یہاں، دوسری بھی آئے گی وہ اپنی جگہ ہے اپنی جگہ۔
مگر یہ کیونکر ہو سکتا ہے اسی حضور؟

سب ہو گا۔ میں غزالہ کی ماں سے کہہ لوں گی۔
جہاں آرا بھی آکر بیٹھ گئی تھی۔ کہنے لگی۔
اہی حضور، غزالہ بھائی کا دل خود یہاں نہیں لگتا۔ پرسوں کہہ رہی تھیں کہ عادل میں نوابوں والی کوئی بات نہیں۔ ہمیں ایسے آدمیوں سے نفرت ہے۔
کیا کہا؟ یتیم صاحبہ غصے سے بولیں۔

جی ہاں، کہہ رہی تھیں کہ نوابوں والی بات تو ان میں ہے نہیں، خشک باتیں ہیں۔

تو ان کی نظر میں نوابوں والی بات کیا ہے۔ یتیم صاحبہ نے پوچھا۔
کیوترا بازی، چنگ بازی، میاشی، پان منہ میں، سکیڑیں ارد گرد ہوں۔ چوسر کھیلی جا رہی ہو۔ عادل پشیمانی سی ہنسی کے ساتھ بولے۔
تو بہ خدایا، کیا جاہل لڑکی ہے۔ یہی تربیت ماں باپ کی ہے۔ یتیم صاحبہ غصے سے سرخ ہو گئیں۔

واقعی بھائی جان کا ان کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں۔ جہاں آرا کو بھی اپنے عزیز بھائی جان کا پریشان رہنا نہیں بھایا۔
یہ ان ہی نوابوں کے لائق تھی۔ میں کل ہی بات کروں گی۔
اہی حضور جب گزارہ نہ ہو، طرفین کے درمیان مخالفت ہو تو حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ طلاق ہو سکتی ہے۔

یہ کیا تک چلائی تم نے؟

میں نے گھر میں ذکر کیا تھا۔ بھائی جان کے ایک دوست ہیں۔ دفتر میں پرنٹنگ ہیں۔ اچھے خاصے ہیں۔ وہ انیس لے کے آئے۔ میں نے دیکھا۔ اچھے ہی ہیں۔ اتنے خوبصورت تو نہیں مگر پھر بھی۔ تم کو مگی تو معاملہ ہو گا۔ تم ہمارے ہاں آؤ تو دیکھ لو۔

تم کچھ لوگوں تو بس ٹھیک ہے۔ میں نے پسند کا معاملہ تو رکھا ہی نہیں۔ یوں سمجھو کہ تنگ آکر مجھے شادی کرنا پڑ رہی ہے۔ ورنہ فی الحال تو میرا ارادہ ہی نہیں تھا۔

نہیں نہیں، دیئے تو ٹھیک ہی ہے مگر پھر بھی تم نے زندگی گزارنی ہے۔ دیکھ لینی تو اچھا تھا۔

یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔ جو تمہارا بی چاہے کرو۔ میں تو اپنے آپ کو مقدر کے حوالے کر دوں گی اب۔ اس کی آنکھیں آجوں ہو گئیں۔

انشا اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر نہ کرو۔ فیروزہ نے کہا۔

اس ذکر سے اس کا چہرہ پیکا پڑ گیا تھا۔ کہنے لگی۔

بس ایک ماہ کے اندر اندر ملے کر لوں گی۔ جس میں تو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

کہہ دیا فیروزہ، جو بی چاہے کرو۔

سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فیروزہ نے دوسری باتیں بھیجیں، 'سکول کی' اپنے معیاری، اور بازار میں آئی ہوئی چیزوں کی۔ ڈھیر ساری الم علم باتیں۔

کتنی دیر بعد وہ چلی گئی تو زیب پھوٹ پھوٹ کر روئے گئی۔ لاوارث، جیم لڑکی۔ جس کا رشتہ ترس کھا کر کیا جا رہا تھا۔ اس کے ماں باپ نے کیا کیا منصوبے بنائے تھے اس کے لیے۔ آج اسے بیاہنے والا کوئی نہ تھا۔ اس کے دل میں کوئی بھی تو تھا نہ تھی۔ کوئی آرزو نہ تھی۔ صرف عزت کی زندگی بسر کرنے کے لیے۔ وہ اپنی محبت کا گھاگھونٹ رہی تھی۔ کتنی دیر تک وہ روٹی روٹی رہی۔ بڑی بی آگاہ۔ اس کا بھی کٹ رہا تھا۔ کتنی بے بسی کی شادی ہو رہی ہے۔ اس لڑکی کی جو

فیروزہ زیب کے ہاں آئی تو بڑی بی نے اسے بتایا کہ زیب شادی کے لیے رضامند ہے۔ فیروزہ بہت خوش ہوئی۔ زیب اس کی عزیز سہیلی تھی اور عزیز سہیلی کی زندگی سدا سحر جائے یہ کم خوشی نہ تھی۔ وہ اندر چلی گئی۔ دیکھا تو زیب مشین پر بیٹے کا فراک ہی رہی تھی۔

کیا ہو رہا ہے محترمہ۔ فیروزہ نے پوچھا۔

آؤ۔ آج بڑے دن بعد یاد آئی میری۔ زیب اٹھ کھڑی ہوئی۔

یاد تو ہر روز آتی ہے مگر اب ذرا میری بھی شادی ہو رہی ہے نا۔ اچھا کب؟

بس جلدی، دونوں سیلیاں اکٹھی کریں گی۔

زیب خاموش ہو گئی۔

یہ کیا سنا جا رہا ہے؟

ہمسائے میں کوئی ہے۔ اس کی بیٹی کا فراک ہے۔

فیروزہ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بولی۔

چائے نہیں پلوا رہی؟

ہوں، کیوں نہیں۔ زیب نے بڑی بی کو آواز دی۔

بڑی بی پہلے ہی چائے تیار کر چکی تھی۔ ہنسی ہوئی بولی۔

مجھے معلوم ہے فیروزہ بیٹی کو چائے بڑی پسند ہے۔ اس لیے پہلے ہی پانی رکھ

دیا۔ بس ابھی لاتی ہوں۔

بڑی بی چائے لائی۔ زیب نے ایک پیالی فیروزہ کو دی اور ایک خود لی اور کہنے لگی۔

تو شادی ہو رہی ہے تمہاری۔

اور تمہاری بھی...



ضرورت تھی اتنا بھڑا بڑھانے کی۔ غزالہ بھی رہتی اور عادل اپنی پسند کی شادی کر لیتے مگر یتیم نے صاف کہہ دیا کہ غزالہ بالکل جاہل سی لڑکی ہے اس کا گزارہ ہو ہی نہیں سکتا۔ عادل کی زندگی اس نے تباہ کر رکھی ہے۔

مگر نوابوں میں کبھی طلاقیں ہوتی ہیں؟

اے تو طلاق کیا خوشی ہے ہو رہی ہے۔ نہیں گزارہ تو نہ سہی۔ حدیث میں جائز ہے۔ کیا نواب مسلمان نہیں ہوتے۔

وہ تو ٹھیک ہے مگر میں اس کے حق میں نہیں۔ میرے خیال میں تو غزالہ کو لے آنا چاہئے اور پھر جب بات دب جائے گی تو عادل بے شک شادی کر لیں۔ ہم خود شرمندہ ہیں کہ عادل جیسے سعادت مند بچے کے ساتھ انصاف نہیں ہوا۔ نہیں جی، غزالہ اب اس گھر میں نہیں آئے گی۔ اس کی ماں نے مجھے کیا نہیں سنایا۔

وہ تو یتیم جس کا جی بٹے گا وہ تو سنائے گا ہی، بات کوئی کم نہیں ہوئی۔ بیٹی کا معاملہ ہے۔

جو جی چاہے کرے۔ آپ کو تو اپنے بیٹے کی زندگی کا ذرا بھی خیال نہیں۔ بچہ سوکھ کر کاٹنا ہوتا جا رہا ہے۔ اور باپ کو شجرہ کا خیال ہے۔ یتیم صاحبہ چڑھ گئیں۔

چپ ہو جاؤ یتیم۔ خود ہی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

نواب جہانگیر باہر نکل گئے۔ یتیم صاحبہ کافی دیر تک کراہتی رہیں۔

عادل کار لے کر باہر نکل آئے۔ زب کے گھر کا دروازہ دیکھ کر وہ پوہنی بے مقصد کار دوڑانے لگے۔ سوچ رہے تھے کہ کیا ہو گا۔ پھر انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اگر کچھ بھی نہ ہو سکا تو وہ زب کو لے کر بہت دور چلے جائیں گے۔ سب کچھ چھوڑ کر۔

یتیم صاحبہ نے جب غزالہ کی ماں سے بات کی تو انہیں بے حد غصہ آگیا۔ لاکھوں ہی سنا ڈالیں۔

اے ہم بھی کہیں ہماری بیٹی سوکھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ سرال میں ذرہ بھر بھی قدر نہیں۔ جاہل تھے یا دل میں ملتے تھے تو یہ باتیں پہلے دیکھ لیتی تھیں۔ شریفوں میں یہ باتیں نہیں ہوا کرتیں۔ جانے لوگوں کی غیرت کہاں چلی گئی ہے۔

یتیم صاحبہ کو بھی غصہ آیا۔ کہنے لگیں۔

آپ کی بیٹی کیا معلوم تھا کہ اتنی تو ہم پرست ہے۔ وہ کچھ بھی تو نہیں جانتی۔ میرا بیٹا تو غم سے آدھا بھی نہیں رہا۔

تمہارے بیٹے کو تو زب سے عشق ہے۔ اسی لیے تو اس کے یہ لہجے ہیں۔ بس بن، آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ جو کچھ بھی ہے۔ اپنے گھر ٹھیک ہے۔ تم بیٹی کو بھڑاؤ۔ ہم بیٹے کو کہیں اور بیاہ لیں گے۔

یہ ساری عمر نہیں ہو سکتا۔ دیکھ لیں گے۔

بات بڑھ گئی۔ مردوں تک جا پہنچی۔ اچھی خاصی دشمنی چل نکل۔ غزالہ کو صاحبہ اسی وقت گھر لے آئے۔ وہ الگ بگڑی بیٹھی تھی کہ ہم اب کبھی نہیں جائیں گے۔ عادل میں تو نوابوں والی کوئی بات ہی نہیں۔

یتیم صاحبہ داہیں چلی گئیں۔ عادل الگ پریشان تھے۔ دونوں گھروں میں کچھڑی سی پکڑے لگی۔ نواب وجاہت سمجھ رہے تھے کہ ان کی سخت بے عزتی ہوئی ہے۔ نواب جہانگیر تو چپ تھے۔ انہوں نے عادل اور یتیم سے کہہ دیا کہ کیا



فیروزہ آئی۔ ساتھ اس کے بھائی اور سپرنٹنڈنٹ جن کا نام صادق تھا۔ وہ بھی ساتھ تھے۔ بڑی بی کو علم تھا۔ اس بھاری نے خود ہی گھر صاف کیا تھا۔ زیب کو تو کچھ ہوش نہ تھا۔ سارا دن وہ کوئی کوئی رہی۔ ایک کمرے میں وہ لوگ بیٹھے تھے۔ دوسرے میں زیب اور فیروزہ تھیں۔ فیروزہ نے بت کہا کہ وہ صادق سے خود مل لے مگر زیب نے کہہ دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

لٹے میں کیا ہرج ہے؟ فیروزہ نے کہا۔

نہ لٹے میں بھی تو کوئی ہرج نہیں۔

وہ تو ٹھیک ہے زیب مگر بھائی جان کا بھی یہی خیال ہے کہ زیب ایک مرتبہ سامنے آئے۔

ہاں بھئی، کیا ہرج ہے۔ بڑی بی نے کہا۔

زیب چپ سی ہو گئی۔

آؤ چلیں مگر کپڑے بدلو پہلے۔

یہ مجھ سے نہیں ہوتا۔ وہ رد ہائی ہو گئی۔

اچھا تو آؤ یونی سی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھی۔

زیب اس کے ساتھ سنجیدگی سے قدم اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں آئی۔ دونوں ہی احزما "کھڑے ہو گئے۔ زیب نے سلام کیا اور کرسی پر فیروزہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

یہ زیب ہیں میری عزیز دوست۔ فیروزہ مسکرا کر بولی۔

صادق مسکرا دیے۔ زیب نے ایک نظری ان پر ڈالی تھی۔ سانولے رنگ

کا عجیب و غریب انسان جسے خوبصورت تو ہرگز نہیں کہا جاسکتا تھا مگر اس نے تو اپنے دل سے اس چیز کا احساس ہی مٹا دیا تھا۔ پھر خوبصورتی اور بد صورتی کا سوال ہی کیا تھا۔ کچھ لمحوں بعد اٹھ آئی۔ صادق نے کہہ دیا کہ یہ رشتہ ہمیں

مباحث پہلے ہی زیب کا دشمن تھا۔ اس واقعے کے بعد تو بہت سی بگڑ گئی۔ اس روز جب کہ اس کی ماں بڑی برہم تھی۔ کہنے لگا۔

یہ ساری مصیبت کی جڑ زیب ہے اسی حضور۔

نہیں بیٹے، اس بھاری کا کیا قصور۔ وہ تو گھاس بھی نہیں ڈالتی۔

مان جائیں اسی، وہ ضرور عادل سے ملتی ہے۔

نہیں نہیں، ایسی بات نہیں۔ وہ بڑی ٹیک پٹی ہے۔ میں تو تمہارا رشتہ کرنے والی ہوں اس سے۔

جی کیا فرمایا؟ مباحث کی باچیں کھل گئیں۔

ہاں بیٹے۔ یہ بات لے ہو جائے تو ہم زیب سے بات کریں گے۔

مگر اسی حضور، وہ مان جائے گی؟

کیوں نہیں مانے گی، ہماری بات وہ کبھی نہیں مانتی۔

تو پھر خوالہ کا کیا کیا جائے؟ مباحث کو خوالہ کا مسئلہ حل کرنے کی سوچی۔

اب ہم اپنے جیتے جی اسے نہیں بھیج سکتے۔

مگر ہو گا کیا؟

تمہارے والد جو کریں گے دی ہو گا۔

ای حضور، جلدی کریں جو کرنا ہے۔ مباحث بے قرار ہو گئے۔

ہاں بالکل، اب جلدی ہو گا۔ نواب جہانگیر نے کل یہاں آنا ہے۔ کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جائے گا۔

مباحث باہر نکل گئے۔ آج وہ بہت خوش تھے اور یہ خوشی وہ کسی اچھی جگہ منانا چاہتے تھے۔ اس لیے وہ اپنے ہی جیسے ایک دوست کے ساتھ گوہر جان کے کونے کی طرف چل دیے۔

منظور ہے۔

چائے کے بعد وہ سب چلے گئے۔ فیروزہ بھی چلی گئی۔ زیب اپنے گھر کو پھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔ رات ہو چکی تھی۔ اس کی طبیعت بہت گھبرا رہی تھی۔ کہنے لگی۔

بڑی بی۔

کیا ہے بیٹی۔

میری طبیعت بہت گھبرا رہی ہے۔

وہم نہ کرو۔ فیروزہ کے ہاں ہی چلی چلو۔

نہیں، کہیں اور جانے کو جی چاہتا ہے۔ وہ آہستہ سے بولی۔

کہاں؟

غزالہ کے ہاں۔

کیا کروگی جا کر وہاں؟

یونہی طبیعت گھبرا رہی ہے۔

غزالہ بھی آئی ہوئی ہے کل سنبل ملی تھی۔ بتا رہی تھی۔

اچھا تو پھر چلی جاؤں؟

مرضی تمہاری۔

یہ آخری ملاپ ہو گا۔ پھر ان سے کون لے گا۔ وہ دیکھے دل سے بولی۔

مگر ان سے کسی قسم کا ذکر نہ کرنا بیٹی۔ مباحث پہلے ہی دشمن ہے۔

نہیں ایسا ذکر نہیں ہو گا۔

تو پھر جاؤ، جلدی آتا۔

زیب آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کتنی مدت بعد حویلی کی طرف چل پڑی۔

غزالہ کو ملنے کے ہمارے۔ شاید وہ آخری مرتبہ کسی اور سے ملنا چاہتی تھی۔ دل

میں یہ غلط لے لیے جب وہ حویلی پہنچی تو سب سے پہلے اسے مباحث ملے۔ مسکراتے

ہوئے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ نہ بولی۔ آگے نکل گئی۔ مباحث ہنستے ہوئے مردان

خانے کی طرف چلے گئے۔ زیب برسوں کی بیمار معلوم ہوتی تھی۔ سیدھا غزالہ

کے کمرے کی طرف گئی۔ غزالہ بیٹھی تھی۔ دیکھتے ہی پٹ گئی۔

ارے زیب تم کہاں؟

بس تمہاری یاد آئی، سوچا مل آؤں۔ زیب نے کہا۔

شکر ہے ہماری یاد تو آئی۔ ہم تو ہمیشہ ہی یاد کرتے ہیں۔

تم نے تو کبھی پوچھا ہی نہیں۔ زیب نے گلہ کیا۔

خجیس نہیں معلوم، ہم پر کیا کیا مصیبتیں آئیں۔

کیا؟ زیب حیرت سے بولی۔

ابھی آئی ہو تا۔ بتاتے ہیں۔ سنبل جاؤ، زیب کے لیے چائے بنا کر لاؤ۔

غزالہ نے سنبل سے کہا۔ وہ گئی تو زیب کہنے لگی۔

تمہارے دولہا کیسے ہیں؟

بھاڑ میں جائیں وہ۔ غزالہ ناک چڑھا کر بولی۔

وہ کیوں؟ زیب کا دل دہل گیا۔

ان کی نظر میں ہم جاہل ہیں۔ کبھی بھی ہم سے ہنس کر بات نہیں کی۔ ہمیشہ

یہی کہتے تھے کہ تم نے خط کیوں لکھوائے۔ بس انہی خطوں کا رونا ہے۔ اماں

صاحبہ فرمانے لگیں کہ غزالہ عادل کے لائق نہیں۔ اور سچ پوچھو تو زیب مجھے

اس شخص میں ذرا بھی دلچسپی نہیں۔ اس میں نوابوں والی کوئی بات ہی نہیں۔

اس بات سے ہم بڑے دلبرداشتہ ہوئے تھے۔ پڑھے لکھے لوگ کیا ایسے ہی خشک

ہوتے ہیں۔ تم تو ایلی نہیں۔

زیب چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی مگر دل میں عادل کے اس قدم

سے ایک دکھ سا اٹھ رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔

عادل نے میرے لیے اپنے آپ کو برباد کر لیا اور بس ...

غزالہ کہنے لگی۔

دو دنوں خاندانوں میں دشمنی ہو گئی ہے۔ ابا حضور کہتے ہیں کہ ہماری توہین

کی گئی ہے۔ مباحث بھائی کہتے تھے اس کا بدلہ لیں گے۔

کیا؟ زیب ڈر گئی۔

اور کیا تو ہیں ہی تو کی گئی ہے۔ اس سے اچھا تھا کہ ہماری شادی کبیں اور ہو جاتی۔ نواب خن کے بیٹے سے ہو جاتی تو اچھا تھا۔ وہاں ہم چاہتے تھے مگر ابا حضور نے شہر دیکھا۔

یہ بات پہلے تو کبھی نہیں بتائی تھی؟ زیب نے پوچھا۔

اسے بی عزت کے مارے چپ رہے ورنہ ہم تو دیں کرنا چاہتے تھے۔ پھر کیوں نہ کی؟

ان کا رشتہ آیا تھا یہ عادل بھی ٹھیک پڑا۔ عادل کا منظور کر لیا اور نواب خن کے بیٹے خوش بخت کا منظور۔ قسمت ہماری پھوٹ گئی۔ پھر اب کیا ہو گا؟

ان کی تو اب بھی شادی نہیں ہوئی۔ خدا کرے اب کوئی صورت نکل آئے۔ غزالہ ہنس کر بولی۔

زیب بیٹھی سوچ رہی تھی کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ کیا سوچنے لگیں۔

یہی کہ اب تم کو کسی اور کا خیال بھی دل میں نہ لانا چاہئے۔ عادل اچھے ہیں۔ ایسی باتیں نہ سوچو اور وہیں جا کر رہو۔

یہ اب نہیں ہو گا۔ ہم ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتے۔ ہم کوئی کم ہیں کسی سے۔ پھر وہ ہمیں جاہل کیوں سمجھیں۔ کوئی پڑھی لکھی لے آئیں۔ ہم تو ایسے ہی ہیں اور ہمارا تو وہاں ذرا برابر دل نہیں لگتا۔ عجب سے لوگ ہیں۔ جہاں آرا ہیں۔ ان کا ماسٹر آ جاتا ہے تو پڑھنے بیٹھ جاتی ہیں۔ ہمارے ہاں یہ تماشا کبھی نہیں ہوا۔ جوان لڑکی سروس سے بیٹھ کر پڑھے۔ بھڑ میں گئی ایسی پڑھائی۔ اور بیگم صاحبہ ہیں، اول تو ان کا مزاج ہی نہیں چلتا ہمارے ساتھ۔ اگر بیٹھتی ہیں آکر تو اپنے صاحبزادے کی قسمت کا فکر۔ شادی کے بعد آدھا نہیں رہا۔ صحت خراب ہو گئی ہے۔ پریشان دکھائی دیتا ہے یا پھر کبیں گی۔ غزالہ تم نے بت غصب کیا۔ ایک لفظ تک نہیں پڑھا۔ ہائے ہائے ہم تو پاکوں کے خاندان میں پھنس گئے جا کر۔ ہر شخص اپنی اپنی بولی بولتا ہے۔ پڑھائی پڑھائی، بھڑ میں گئی ایسی پڑھائی۔

صاحبزادے ہیں، وہ تو اول گھر میں ہوتے ہی نہیں۔ سارا دن کار لے کر جاتے کماں کماں رہتے ہیں۔ جب کبھی گھر ہوں تو وہ سڑی بارہ دری ہو گئی اور وہ ہوں گے۔ سارا وقت وہیں بیٹھے رہتے ہیں۔ کبھی بھولے سے آ بھی جائیں گے تو یہ بات کریں گے کہ تم نے خط لکھ کر مجھے برا دھوکا دیا ہے۔ تو یہ ہے ہم تو عاجز آ گئے۔ سچ بتائیں زیب، ہمیں تو وہ گھر قبرستان سے کم معلوم نہیں ہوتا۔ غزالہ کی باتوں میں جلیں، حد اور غصہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

زیب کے دل کی حالت الگ تھی۔ اس پر ایک ایک بات غزالہ نے واضح کر دی تھی کہ عادل کی کیا حالت ہے اور اس کو غم کس چیز کا ہے۔ وہ پہلے ہی بھری بیٹھی تھی۔ آنکھیں چپکے چپکے برسنے لگیں۔ غزالہ سمجھی کہ زیب کو اس کی حالت پر دکھ ہوا ہے۔ وہ مسکرا کر بولی۔

فکر بالکل نہ کرو زیب۔ ہم اب ان ظالموں کے ہاں بالکل نہیں رہیں گے۔ ہم نے سنا ہے نواب عادل تم پر بھی نظر رکھتے ہیں۔ ہوں، بڑے آئے یوسف ثانی کہیں کہ۔ ہم اب طلاق لے کر ہی رہیں گے۔ انہوں نے کیا سمجھا ہے۔ ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ہم یونہی کریں گے اور ضرور۔ غزالہ کے دل کی باتیں زبان پر آ رہی تھیں۔

خوش چائے لے کر آگئی۔ دونوں نے چائے پی۔ زیب کا دل بے حد اداس تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ اس نے منشی جی کو ساتھ لیا اور آئندہ آنے کا وعدہ کر کے چل آئی۔ بڑی بی ایچی تک بیٹھی ہوئی تھی۔ زیب کا دل کھانے کو بھی نہ چاہا۔ وہ کمرے میں جا کر لحاف لے کر پڑ رہی۔ آنکھیں برسنے لگیں۔ اپنی محبت کی محرومی پر ... زندگی میں ایک شخص کو چاہا تھا، دل و جان سے۔ وہ بھی پیشہ کے لیے غائب ہونے والا تھا اور اسے بھولنے کے لیے اس نے کیا قدم اٹھالیا تھا۔

ہاں واقعی بات تو اس وقت کی ہے۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔
وہ بھی اسی طرح کی بات ہے نا۔ نواب جہانگیر بولے۔

نئے بھائی صاحب۔ غزالہ جیسی بھی تھی آپ کو پہلے خیال کرنا چاہئے تھا۔
اپنے ہاں کی عورتوں کو آپ نے بھیجا تھا وہ دیکھ کر گئی تھیں۔ رشتہ ہو گیا تھا۔
اب کیا کیڑے پڑ گئے ہیں غزالہ میں۔ شریفوں میں کہیں طلاق ہوا کرتی ہے۔ آخر
ہم نے کیا قصور کیا تھا جو آپ ہمیں اس کا یہ بدلہ دینے لگے۔ غزالہ کی ماں غصے
کو ضبط نہ کر سکیں۔

بھائی صاحب، ہم نے عرض کیا نا کہ ہم تو یہ چاہتے ہی نہیں۔ آپ کو غزالہ
کو ہنسی خوشی ہمارے ساتھ بھیجے۔ طلاق کا کس نے کہا آپ سے۔ نواب جہانگیر
علیمی سے بولے۔

مگر آپ کا عمل ہماری بیٹی کے لیے جہنم بن گیا۔ ہر ایک اسے جاہل سمجھتا
ہے۔ یعنی کہ حد ہو گئی۔

یہ آپ کی زیادتی ہے بن۔ غزالہ بیٹھی ہے۔ ان سے پوچھ لیجئے کہ کبھی
ان سے کچھ کہا کسی نے۔ ان کا داغ بالکل بچوں جیسا ہے۔ ان سے پوچھئے کہ یہ
اتنے بڑے نواب کی بیوی ہیں۔ گڑیاں کھیلنا ان کے لیے اچھا ہے۔ ذرا سی بات پر
انہیں جن بھوت دکھائی دینے لگتے ہیں۔ دورہ پڑ جاتا ہے۔ آدمی آدمی رات کو
بچتی ہیں۔ بیگم جہانگیر بھی غصہ ضبط نہ کر سکیں۔

یہ تو قدرت کی بات ہے۔ خدا کرے کہ آپ کو بھی جن بھوت دکھائی دیں
تو پتہ چلے۔ ہماری بیٹی پر شروع سے ہی سایہ ہے۔ یہ قدرت کی بات ہے۔ اس
میں ہمارا اور آپ کا کیا دخل۔ تو بے کیجئے خدا سے۔

ارے بھی آپ لوگ تو لڑنے لگیں۔ نواب وجاہت کہنے لگے۔

بات بدھانے سے بیش بہا ہوتی ہے۔ اس وقت جو مسئلہ درپیش ہے اس کی
بات کریں۔ نواب جہانگیر بولے۔

ہم تو سو کی ایک کہتے ہیں۔ اپنی بیٹی کو ہم نہیں بھیجیں گے۔ سو کہہ کر کاٹنا
ہوتی جا رہی ہے۔ یہ بھی کوئی بات ہے بھلا۔ غزالہ کی ماں نے کہا۔

لیجئے سن لیں۔ اب کر لیجئے فیصلہ۔ نہیں بن آتی تو خواہ مخواہ ہم بھانے کی
کوٹھیں کریں۔ بیگم جہانگیر بولیں۔



نواب جہانگیر خود نواب وجاہت کے پاس آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ غزالہ
میں واپس چلی جائے۔ نواب وجاہت علی بھی اس بات پر راضی تھے۔ بات بیگم
صاحبہ کے لیے رگ رک گئی۔ طے یہ ہوا کہ بیگم صاحبہ بھی کرن پور سے آجائیں۔
عادل بھی ہو۔ غزالہ اور اس کی ماں بھی اور سب بیٹہ کر فیصلہ کریں۔ جو کچھ بھی
ہو۔ عزت اور پردے سے ہو۔ چنانچہ موڑ بھیج کر بیگم صاحبہ اور عادل کو بلا لیا
گیا۔

حویلی کے اندر بڑے کمرے میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ غزالہ بھی آ
گئی۔ سخت موڑ غراب تھا۔ عادل گزشتہ رات اپنی ماں سے کہہ چکے تھے کہ اگر
غزالہ دوبارہ آئی تو وہ خود کہیں چلے جائیں جائیں گے۔ بیگم صاحبہ اپنے تئیں
فیصلہ کئے بیٹھیں تھیں۔ غزالہ اپنی جگہ کڑھ رہی تھی۔ صرف نواب جہانگیر اور
نواب وجاہت تھے جو رشتہ قائم رکھنا چاہتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ یہ علیحدگی
دونوں خاندانوں کو بیشک کے لیے جدا کر سکتی ہے۔ لہذا انہوں نے خاندان کا
سوال اٹھایا۔ باقی لوگ خاموش تھے۔ نواب جہانگیر کہنے لگے۔

گو ہم نئی تہذیب کو برا کہتے ہیں لیکن ان کے ہاں بعد میں بھڑکے نہیں
ہوتے اور ہم سمجھتے ہیں کہ ایک حد تک وہ لوگ حق پر ہیں۔ شریعت بھی یہی
کہتی ہے اور اس میں ہرج منہیں کہ لڑکی اور لڑکے کو آپس میں ایک آدھ بار مل
لینا چاہئے مگر ہم لوگ وہی لکیر کے فقیر ہیں۔

مگر بھائی صاحب، جو اصول ہمارے بزرگ قائم کر گئے ہیں انہیں کیسے توڑا
جا سکتا ہے۔ جو کچھ ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں وہی کچھ ہم کریں گے۔
نواب وجاہت علی اپنی روایات کو دہرائے لگے۔

ہم سمجھتے ہیں بھائی صاحب۔ یہ سب تعلیم نہ ہونے کی بات ہے۔ ہمارے
دماغ پر جمالت کے پردے ابھی تک جن کے توں ہیں۔ باپ دادا اگر غلط اصول
بنا گئے ہیں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہم ساری عمر اپنی اصولوں پر چلتے رہیں
گے۔ آخر انفرادیت بھی تو کوئی چیز ہے۔

آپ کہاں کی بات لے بیٹھے۔ اس وقت کی بات کریں نا۔ عادل کی والدہ
بولیں۔

ہمیں جو پسند ہو گی وہ تم پسند کر لو گی؟ عادل مسکرا کر بولے۔
بالکل۔

وہ کیسے؟ عادل بچوں کی طرح اخلاک رکھنے لگے۔
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی پسند آگئی ہے۔ جہاں آرا مسکرا کر بولی۔
کچھ ایسا ہی معاملہ ہے۔ عادل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
کون ہے وہ؟
ایک غریب سی لڑکی ہے۔
پھر بھی۔

زیب۔ عادل آہستہ سے بولے۔

زیب۔ جہاں آرا حیرت اور تشویش کے طے بلے جذبات کے ساتھ بولی۔
ہاں... پسند ہے تمہیں؟
بہت بھائی جان۔ مجھے تو وہ پہلے دن سے ہی پسند ہے۔ میں امی حضور سے
بات کروں گی۔

معلوم نہیں وہ نامیں کی یا نہیں؟

ماں جانیں گی بھائی جان۔ وہ آپ کے لیے بڑی فکر مند ہیں۔ فرما رہی تھیں
کہ اب تو جو عادل کہیں گے وہی کروں گی۔
بس تم ہی متاؤ سب کو۔ بڑی اماں جان کو بھی اور چھوٹی امی کو بھی۔ اچھی
ہن، کب کر دو گی یہ کام؟

بڑی بے قرار ہے۔ جہاں آرا ہنستی ہوئی بولی۔

تم نہیں جانتی جہاں آرا۔ زیب کتنی اچھی لڑکی ہے۔

مگر بھائی جان، میرے سامنے تو آپ نے اسے بہت سنائی تھیں۔

وہ بھی ایک راز تھا۔

عادل نے تمام داستان جہاں آرا کو سنا دی۔ تب جہاں آرا کہنے لگی۔

واہ بھائی جان۔ آپ نے بھی کمال کر دیا۔

اچھا، کب کر رہی ہو اماں جان سے بات۔

کر لوں گی، ابھی کیا بے صبری ہے؟

اچھی ہن، تم نہیں جانتی ہم نے اس کے ساتھ کیا کیا زیادتیاں کی ہیں۔ وہ

جن کی بات ہے ان سے پوچھ لینا زیادہ مناسب ہو گا کیوں نواب وجاہت۔
نواب جہانگیر بولے۔

ہاں بالکل ٹھیک ہے۔

کیوں بھی غزالہ۔ آپ نے زندگی گزارنی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اپنے گھر
چل کر رہیں اور سمجھداری سے کام لیں۔ نواب جہانگیر بولے۔

غزالہ چپ بیٹھی رہی۔ نواب جہانگیر دوبارہ کہنے لگے۔

یہ تمہاری زندگی کا سوال ہے بیٹی۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے۔ جو تم کو
دی ہو گا۔ اگر تم چاہتی ہو کہ تمہارا فیصلہ کر دیا جائے تو وہ ٹھیک ہے۔ اگر
تم ہمارے ساتھ چلنا چاہتی ہو تو خوشی سے متا دو۔

غزالہ کچھ دیر چپ بیٹھی رہی۔ پھر آہستہ سے بولی۔

ہم اب وہاں نہیں جائیں گے۔ نواب وجاہت بھی خاموش ہو گئے۔

بس تو پھر فیصلہ کر دیا جائے۔ بیگم صاحبہ نے کہا۔

تو پھر یہی ٹھیک ہے۔ نواب جہانگیر نے کہا۔ پھر وہ نواب وجاہت سے
مخاطب ہو کر کہنے لگے۔ نواب وجاہت، ہمیں اس بات کا دلی صدمہ ہے کہ ہمارا
رشتہ بھہ نہ سکا۔ کیا ہم امید کریں کہ ہمارے تعلقات میں فرق نہ آئے گا۔ بخدا
ہمیں دلی قلق ہے۔

نواب وجاہت خاموش تھے۔ ان کی بیگم کڑک کر بولیں۔

بس جی، یہاں ختم ہو گئی ہے۔ ہم آپ کے لیے مر گئے۔ آپ ہمارے
لیے۔ ہماری بیٹی کو طلاق دیجئے اور بھول جائیے کہ کبھی کہیں رشتہ کیا تھا۔

باقی سب لوگ خاموش تھے۔ غزالہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ عادل سے طلاق
کھوار کر غزالہ کو وے دی گئی۔ نواب جہانگیر، بیگم صاحبہ اور عادل کو لے کر گھر
آ گئے۔

آج مدت بعد آپ خوش نظر آ رہے ہیں۔

اچھی ہن، تم نہیں جانتی کہ آج مجھے کتنی خوشی ملی ہے۔ غزالہ میرے لیے
ایک بوجھ تھی۔

واقعی بھائی جان، عجیب و غریب تھی۔ اب تو ہم اپنے بھائی کی اچھی جگہ
شادی کریں گے۔ پڑھی لکھی۔ خوبصورت اور جو آپ کو پسند ہو۔

بڑی دکھی ہے۔ تم یقین جانو ہمارے اس الزام سے اسے کتنی معیضیں آئیں۔ ہم نے تو اس سے جینے کا بھی حق ہی جھین لیا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کی دکھی زندگی جلدی سے ختم ہو جائے۔ ماکول رنجیدہ سے ہو گئے تو جہاں آراہولی۔

آپ خواہ خواہ رنجیدہ نہ ہوں بھائی جان۔ میں ابھی اسی حضور سے بات کروں گی اور انشاء اللہ وہی ہو گا جو آپ چاہیں گے۔

جہاں آراہولی گئی اور عادل سوچنے لگے کہ وہ زب کے پاس کس طرح جائیں اور جا کر کس طرح اسے یہ خبر سنائیں۔ وہ بے قرار ہو کر اٹھے اس کے پاس جانے کے لیے۔

فیروزہ نے زب کی شادی کی تاریخ مقرر کر لی تھی اور تیرے دن اتوار کو اس کا نکاح ہو رہا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ ماضی کی یادوں کو کھرچتی رہی۔

تین دن بعد وہ بے ہتھم سے انسان کی جیون ساتھی بن جائے گی۔ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

کیوں ری زب، کیا وہ بے سکے گی اسے تو وہی محبت جو عادل کے لیے تیرے دل میں ہے۔ تو قریب کر رہی ہے۔ تو اسے محبت نہیں دے سکے گی قریب دے گی۔ تو اپنے آپ کو دھوکہ دے رہی ہے۔ تو دوسروں کو دھوکا کیوں دیتی ہے۔

بڑی بی باہر مٹی تھی۔ اسے یوں فکر تھا جیسے اس کی اپنی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے۔ مہمانوں کو چائے پانی پلانے کے لیے ان کے پاس کچھ بھی تو نہیں تھا۔ بڑی بی کو یہی فکر گھا گیا تھا۔ اس وقت بھی وہ اسی انتظام کے لیے کئی تھی۔ اس کے کئی ملے والے تھے۔ اس نے سوچا کسی سے کچھ روپے ادھار ہی لے لینے چاہئیں۔

زب کو اس بات کا علم نہ تھا۔ وہ اس سے کہہ گئی تھی کہ کسی کام سے باہر جا رہی ہے۔ زب اس وقت بالکل تنہا تھی۔ چہرہ غم سے چلا پڑ گیا تھا۔ کپڑے ملے تھے۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور دنیا جہاں کی پریشانیوں اسے چٹنی ہوئی تھیں۔ دل بھر آیا تھا اور بھرائی ہوئی آواز میں وہ مھکتانے لگی۔ آواز میں ہلا کا سوز تھا۔

گو ذرا سی بات پر برسوں کے یارے ملے

لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پچانے گئے
اس لیے عادل اگے۔ چہرہ خوشی کے جذبات سے منور تھا۔ اس وقت وہ مدت بعد اپنے پسندیدہ لباس میں تھے۔

زب ہنسنے لگے۔ اس کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے چمک پیدا ہو گئی۔ اس کا محبوب اس کے سامنے تھا۔ جی چاہا کہ اس کے قدموں پر سر رکھ دے۔

عادل دروازے کو کھڑک کر کھڑے تھے۔ آنکھوں میں بڑی محبت تھی۔ وہ اپنی متاع حیات کو سینے سے لگائے کے لیے بے تاب تھے۔ محبت میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولے۔ زب۔

جی۔ وہ قہر قہرائی ہوئی آواز میں بولی۔
میں آگیا ہوں۔ سارے بدھمن ڈوڑر۔ تمام مشکلیں ختم کر کے جان بگر۔
جی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ہاں میری روح۔ اب کوئی دکھ نہیں ہو گا۔ اب ہم گھنٹوں اس بارہوری میں بیٹھیں گے۔ تمہارا وہ سفید کمرہ تمہارا شہر ہے میری زندگی۔ وہ قریب آ گئے۔

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ انہوں نے اسے اپنے سینے سے چٹایا اور وہ ان کے چوڑے سینے میں منہ چمپا کر سسک پڑی۔ بچیاں لے لے کر رونے لگی مگر اس کے سینے سے لگے ہوئے اسے کتنا سکون محسوس ہو رہا تھا۔

عادل نے اس کے پریشان بالوں پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔
عادل۔ اس کی آواز ایک ہلکی بن گئی۔
جان عادل۔

عادل۔ وہ اسے اپنی کانپتی ہوئی ہانپوں سے جھنجھوڑ کر بولی۔
کو، میری زندگی، کیا کتنا چاہتی ہو؟
عادل۔ وہ دوتے ہوئے اس سے پھر پلٹ گئی۔

ہلکی۔ وہ اس کے گال چھو رہی تھیں۔ اب
تو خوشی کا مقام ہے۔

تم چلے جاؤ، چلے جاؤ۔ خدا کے لیے۔ وہ اس سے علیحدہ ہو کر چہرہ چمپا کر

زور زور سے رونے لگی۔

کیا ہوا زبیب۔ عادل گھبرا گئے۔ انہوں نے زبیب کو چارپائی پر بٹھا دیا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے بولے۔ کیوں چلا جاؤں؟ بس کہہ جو دیا۔ اس نے نگاہیں نیچی کر لیں۔ کیوں، تمہیں شاید معلوم نہیں غزالہ کو طلاق دے دی ہے۔ کیوں؟ وہ گھبرا کر بولی۔

بس عاری مرضی۔

یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ وہ کانتی ہوئی آواز میں بولی۔

یہ ہم جانتے ہیں، اچھا اب تم ہمارے ساتھ چلو گی یا کہہ بیٹیں پر قاضی کو بلانا پڑے گا۔ وہ ہنس کر بولے۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس کا غم گہرا ہو گیا۔

فیک کہہ رہا ہوں۔

نہیں، ایسا بھی ہو سکتا ہے بھلا۔ اس کا دل جیسے پھٹنے والا تھا۔

اسی لمحے بڑی بی آگئی۔ عادل کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے۔

آؤ بڑی بی، کیا حال ہے؟

اچھی ہوں نواب صاحب۔ آپ کیسے بھول پڑے؟

اب ہم بالکل نہیں بھولیں گے۔ بڑی بی، بیشک کے لیے آپ کے پاس رہیں گے۔ عادل ہنس کر بولے۔

ان کی خوشی دیکھ دیکھ کر زبیب کا دل جل رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی جیسے بہت بڑی مجرم ہو اور پھانسی کا حکم ابھی ابھی سنایا جانے والا ہو۔

کہاں گئی تھیں آپ بڑی بی؟ عادل نے مسکرا کر پوچھا۔

بیٹا، غریب سے لوگ ہیں ہم۔ مگر عزت بھر بھی رکھتے ہیں۔ بہت نہیں تو تھوڑا بہت تو ہونا چاہئے۔ کم از کم ممانوں کو چائے وغیرہ تو پلوانا ہی چاہئے نا۔ اسی کا انتظام کرنے کے لیے مٹی تھی۔

تو آپ کو پہلے سے علم ہو گیا تھا۔ عادل ہنس کر بولے۔

کس بات کا؟ بڑی بی نے کہا۔

اچھا خیر، مگر بڑی بی آپ مجھے اتنا خراب سمجھتی ہیں۔ میرے ہوتے ہوئے

آپ کو فکر کی کیا ضرورت ہے؟

زبیب تڑپ کر رہ گئی۔ بڑی بی کہنے لگی۔

خدا آپ کو سلامت رکھے۔ مگر ہمیں فکر کرنا ہی ہے نا۔ دیے آپ تشریف ضرور لائیں۔ زبیب بیچاری کا کون ہے۔ کوئی بھی تو نہیں۔ آپ ہوں گے تو ذرا اچھا ہو گا۔

یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ قصہ کیا ہے؟ عادل کچھ حیران سے ہو گئے۔

آپ کو نہیں معلوم کیا؟ پرسوں زبیب کا نکاح ہو رہا ہے۔ تاریخ مقرر ہو گئی ہے نا۔

زبیب کا نکاح؟ وہ گھبرا کر بولے۔

ہاں، اچھا لڑکا ہے۔ کسی دفتر میں ملازم ہے۔ بیٹا، چیٹ بری بلا ہے۔ عزت سے رشتہ ہو گیا ہے۔ یہ کیا کام ہے۔ آخر کب تک یونیفرم سلسلہ چلا رہتا۔ بن ماں باپ کی بیٹی ہے۔ اللہ نے اپنا رحم کر دیا۔

کیا کہہ رہی ہو بڑی بی؟ عادل چیخ پڑے۔

بڑی بی حیرت سے زبیب کو دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بری طرح برس رہی تھیں۔

عادل نے زبیب کو جھنجھوڑ کر پوچھا۔

کیا یہ سچ ہے زبیب۔ تم نے کیوں کیا ایسا۔ ایسا کیوں کیا تم نے؟

بڑی بی حیران حیران سی دیکھ رہی تھیں۔ آہستہ سے بولیں۔

عادل ماماں، آپ خدا کے لیے میاں سے چلے جائیے۔ پہلے کیا کم رسوائی ہو چکی ہے۔ اب اس کی شادی تو خیر سے ہو لینے دیجئے۔ اگر کسی کو کچھ معلوم ہو گیا تو کیا ہو گا؟

تم بولتی کیوں نہیں، ذرا بھی انتظار نہ کیا۔ اف خدا یا۔ اب کیا ہو گا۔ میں کیسے زندہ رہوں گا؟ زبیب میری زندگی تمہارے رحم و کرم پر ہے۔ چاہے تو بچا چلا جائے تو مر جائے دو۔ عادل غم و غصہ کی وجہ سے ہاتھ مل رہے تھے۔

بڑی بی اسے جانے کا مشورہ دے رہی تھی اور عادل بار بار زبیب کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر پوچھ رہے تھے کہ ایسا کیوں کیا تم نے؟

جب کافی دیر گزر گئی تو زبیب نے آہستہ سے کہا۔

خدا کے لیے یہاں سے چل جائے۔ مجھے بھول جائے۔
عادل اسے بڑے دکھ سے دیکھتے رہے۔ پھر اس کا ہاتھ آنکھوں سے لگا کر
بولے۔

اگلے جہان میں ضرور پالوں گا تمہیں۔ جاؤ خوش رہو۔ تب وہ بڑے مضب
سے باہر نکل گئے۔

زیب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بڑی بی الگ پریشان تھی۔ رات ہوئی جا
ری تھی۔ اتوار کو شادی تھی اور صبح بخت تھا۔ زیب پچھلی کی طرح تڑپ رہی
تھی۔ عادل کے الفاظ اس کے دل پر نشتر کی طرح لگے تھے۔ اگلے جہان میں
تمہیں ضرور پالوں گا۔ کیا مطلب تھا اس کا؟
تمام رات تڑپتے گزر گئی۔

صبح صبح اس نے کپڑے بدلے۔ بڑی بی چائے لے آئی۔ اس نے جلدی
سے چائے پی اور بولی۔

میں تھوڑی دیر میں آ جاؤں گی۔

مگر تم کہاں جا رہی ہو؟ بڑی بی پریشانی سے بولی۔

کام سے جا رہی ہوں۔

دیکھو بیٹی! ایسا دیر قدم نہ اٹھانا۔

تم اطمینان رکھو۔

چائے پی کر وہ تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی۔ فیروزہ گھر پر تھی۔ سکول
جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر حیران ہی تو رہ گئی۔

’اری‘ تم‘ خیریت ہے نا؟

ہاں خیریت ہے۔ تم مجھے صادق صاحب کے پاس لے چلو گی؟

کیوں‘ پچھلی ہو گیا۔ کل تساری شادی ہے۔ اکٹھا چلی جانا۔

فیروزہ میں سخت پریشان ہوں۔ خدا کے لیے مجھے لے چلو۔ کہاں ہے ان کا
گھر؟

مگر کیوں‘ خیریت ہے نا؟

میں نے ان سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

بڑی معیوب سی بات ہے۔

جو کچھ بھی ہے۔ اس وقت میری مدد کرو۔ زیب نے اصرار کیا تو فیروزہ اس
کے ساتھ چلی گئی۔ صادق نے دفتر سے پھنسی لے رکھی تھی۔ وہ گھر پر ہی تھا۔
زیب اور فیروزہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ مسکرا کر کہنے لگا۔ خیریت؟

یہ آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہیں۔ فیروزہ نے کہا۔

تشریف رکھیے۔ صادق نے خوش اخلاقی سے کہا۔

وہ دونوں بیٹھ گئیں۔ صادق نے نوکر کو چائے لانے کو کہا۔

مذیب کا چہرہ غم سے زرد ہو رہا تھا۔

فرمائیے۔ صادق مسکرا کر بولے۔

صادق صاحب‘ میں بہت شرمندہ ہوں۔ دراصل ان دنوں میری ذہنی حالت
بہت خراب ہے۔ میں یہ کہنے آئی ہوں کہ میرا آپ کا کوئی بھاء نہیں ہو سکتا۔

بی‘ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ صادق حیرت سے بولا۔

یوں سمجھئے کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ زیب آہستہ سے بولی۔

کیا کہہ رہی ہو زیب‘ پاگل تو نہیں ہو گئی۔ فیروزہ نے کہا۔

بس کہہ دیا نا۔ آپ کو اطلاع کرنی تھی کر دی۔

آپ نے مجھے سمجھا کیا ہے۔ صادق کو غصہ آ گیا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا مذاق کیا
ہے آپ نے میرے ساتھ؟

میں شرمندہ ہوں صادق صاحب۔ فیروزہ بولی۔

دیکھئے محترمہ‘ شریفوں کا یہ شیوہ نہیں ہوتا۔ میں بھی شریف آدمی ہوں۔

آپ نے کیا سمجھ کر مجھ سے مذاق کیا؟

اب آپ مجھے شریف سمجھیں یا بد چلن۔ بہر حال میں نے آپ سے کہہ
دیا۔ زیب اٹھتے ہوئے بولی۔

صادق بہت برسم تھا۔ فیروزہ نے اسے باتیں کر کے غصا کیا۔ زیب نے

دوبارہ معافی مانگی۔ تب وہ کہنے لگا۔

آپ جاسکتی ہیں‘ شکر ہے کہ مجھے پہلے پتہ چل گیا۔ اگر خدا انخواستہ میری

آپ سے شادی ہو جاتی تو کیا ہوتا؟

زیب اور فیروزہ باہر نکل آئیں۔

یہ کیا تک چلائی تم نے؟ فیروزہ کو بھی غصہ آ رہا تھا۔

میری اچھی بہن، مجھے زندگی مل گئی ہے۔ عادل مجھے مل گیا ہے۔

اب وہ شادی نہیں ہوگی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

بچ؟ جہاں آرا خوشی سے بولی۔

ہاں، میں نے انکار کر دیا ہے۔

ہائے! آپ نے بہت اچھا کیا۔ ورنہ جانے بھائی جان کا کیا ہوتا۔ کل میں نے اسی حضور سے کہا کہ وہ زیب سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اسی حضور بہت خوش ہوئیں۔ انہوں نے کہا کہ دیکھ، ہمیں خوشی ہوگی۔ یہ خوشخبری میں نے بھائی بان کو سنا چاہی مگر وہ گھر پر نہیں تھے۔ جب وہ گھر آئے تو سخت پریشان تھے۔ میں نے کہا۔ اسی حضور نے آپ کی شادی کی منظوری دے دی ہے تو بڑے دکھ سے بولے۔ اب ہماری شادی کبھی نہیں ہوگی۔ میں تو حالت دیکھ کر ڈر گئی۔ پھر انہوں نے بتایا کہ آپ کی پرسوں شادی ہو رہی ہے۔ بڑے ہی پریشان تھے۔ وہ اسی حضور اور میں آج آپ کے پاس آنے والے تھے۔

زیب خاموشی سے سختی رہی پھر حیا سے جھکی ہوئی نظروں سے بولی۔

اس وقت کہاں ہیں وہ؟

اس وقت بارہ دہری میں ہیں۔ ساری رات نہیں سوئے۔

زیب اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ چہرہ شرم سے سرخ ہو رہا تھا۔ جہاں آرا سمجھ گئی۔ کہنے لگی۔

مجھے میں آپ کو وہاں تک چھوڑ آؤں۔

تب وہ شرما کر لپٹی ہوئی اس کے ساتھ چل پڑی۔

بارہ دہری کے قریب پہنچ کر جہاں آرا نے کہا۔

وہ رہے بھائی جان! اب میں چلتی ہوں، خدا حافظ۔

تب اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی عادل کے قریب آ گئی۔ عادل اونٹ سے منہ گھاس پر لیٹے ہوئے تھے۔ سامنے زیب کے لکھے ہوئے خطوط بکھرے ہوئے تھے۔

زیب قریب ہی بیٹھ گئی۔ دھڑکتے دل سے بالوں میں اٹکیوں سے کھینچ کر رہی۔

سکون؟ عادل بڑبڑاتا۔

وہ خاموش رہی۔ ماتھے پر آئی ہوئی لٹ کو سنوارتے ہوئے اس پر جھک

اگر کچھ نہیں، مجھے کچھ روپے دو۔ میں جاری ہوں۔
مگر قصہ تو سناؤ۔ زیب نے مختصر فیروزہ کو بتایا کہ عادل آیا تھا اور کیا کیا ہوا۔ فیروزہ اس کی مجلس دوست تھی۔ کہنے لگی۔

مجھے خوشی ہوئی کہ تمہاری محبت مل گئی ہے مگر یہ کوفت بڑی تکلیف دہ تھی، بھائی جان بھی مجھے میں ہوں گے۔ خیر تمہاری خاطر یہ بھی کر لوں گی۔ جیتی رہو بہن! اب تم مجھے جانے دو۔ وہ بڑے ہی پریشان مجھے تھے۔ جانے کس حال میں ہوں گے؟

فیروزہ نے غصی بلوائی۔ زیب کو کچھ روپے دیے اور خدا حافظ کہہ کر سکول کی طرف چلی گئی۔ زیب کے لیے راستہ کاٹنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ڈرائیور کو جلدی جلدی چلانے کا کہہ رہی تھی۔ کرن پور ابھی دور تھا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز تھیں۔ راستہ گزرنا مشکل ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد کرن پور آ گیا۔ آج پھر وہ اسی جگہ آئی تھی جہاں سے ایک دن وہ روٹی ہوئی گئی تھی۔ غصی محل کے سامنے رکی۔ زیب نے ڈرائیور کو پیسے دیے اور دھڑکتے

دل کے ساتھ بڑے دروازے کی طرف چلی گئی۔ سب سے پہلے اسے ایک کینیز ملی۔ اس نے جہاں آرا کا پوچھا۔ معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے۔ زیب کینیز کے ساتھ جہاں آرا کے کمرے کی طرف گئی۔ جہاں آرا کچھ پڑھ رہی تھی۔ حیرت اور خوشی سے چچ پڑی اور اس سے پٹ گئی۔

ارے آپ؟ آپ کی تو شادی ہو رہی تھی؟ وہ خاموش سی صوفے پر بیٹھ گئی۔

کہنے کیا حال ہے؟ جہاں آرا بولی۔

اچھی ہوں۔ وہ جھکی ہوئی نظروں سے بولی۔

مگر آپ کی شادی، تو یہ بھائی جان رات سے اس قدر پریشان ہیں کہ ان کی حالت دیکھ کر میں نے آپ کو کتنی بدعنائیں دیں۔ جہاں آرا اس کے قریب بیٹھے ہوئے بولی۔

گئی۔ عادل نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ زیب ہولے ہولے مسکرا رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

تم، زیب؟

ہاں میں، میں آگئی، سب کچھ چھوڑ کر۔ وہ شرم سے ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔

بچ۔ انہوں نے اسے بھیج لیا۔ وہ اس کے بالوں اور ہاتھوں کو بار بار چوم رہے تھے۔

اٹھسے ٹا، اب جہاں آرا انتظار کر رہی ہو گی۔ وہ آہستہ سے بولی۔
ہاں چلو۔ ان کی بانہوں کا سہارا لیے زیب یوں چل رہی تھی جیسے نئی نوپا دلہن ہو۔

جب وہ بارہ دری سے نکلے تو جہاں آرا کھڑی تھی۔ بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ زیب جھینپ گئی۔ بیگم صاحبہ نے اسے سینے سے لگا لیا۔ کتنے لگیں۔
تم واقعی میرے گھر کا سنگھار ہو۔

وہ سب بڑے کمرے میں آ گئے۔ موٹر بھیج کر بڑی بی کو بھی بلوا لیا۔ وہ بے حد خوش تھی۔

اور زیب ... سب کے جھرمٹ میں یوں بیٹھی تھی جیسے تاروں کے جھرمٹ میں چاند۔

اسی شام ان کا نکاح ہو گیا۔

اور ... رات جب عادل بھی سجا کی زیب کو اپنے سفید سفید کمرے میں لے کر آئے تو ان کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

آئیے بارہ دری میں چلیں۔ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔

اور اس رات کو امریتا ڈالیں۔ عادل نے اس کے الفاظ دہرائے۔

تب وہ اس کی مضبوط بانہوں کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بارہ دری میں آگئی۔ ذرہ ذرہ مسکرانے لگا۔

ختم شد

محترمہ حمیدہ جبین کے
ذلیح سب رومانی اصلاحی ناول
جن کے بغیر آپ کی لائبریری مکمل نہیں ہو سکتی

100-00

☆ ☆ ☆ ☆
حمیدہ جبین

زیبا

125-00

حمیدہ جبین

شاخ مدیدہ

100-00

حمیدہ جبین

حنا اور پتھر

100-00

حمیدہ جبین

گیت یہ میرے

75-00

حمیدہ جبین

سحر

☆ ☆ ☆ ☆

مکتبہ القرآن لٹریچر اردو بازار لاہور